کرشن چندر



کرشن چندر کے ڈرامے

ناشر .... سرفراز احمد

مطبع .... زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

قیمت .... ۱۰/- روپے

فہرست

پیش لفظ

میرے ڈراموں کا یہ پہلا مجموعہ ہے۔ ان میں سے اکثر ڈرامے آل انڈیا ریڈیو سے متعدد بار براڈ کاسٹ ہو چکے ہیں کالجوں کے شوقیہ سٹیج پر کھیلے جا چکے ہیں۔ اور ملک کے مختلف رسائل میں مختلف زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

"حجامت" کے سوا اس مجموعے کے سب ڈرامے طبع زاد ہیں۔ "حجامت کا پلاٹ اور ایک حد تک مکالمہ بھی آندریف کی ایک نقل سے لیا گیا ہے جس کے لئے میں اس عظیم المرتبت روسی مصنف کا شکر گزار ہوں، کیونکہ جس گہری واقعاتی طنز کا مظاہرہ اس نے اپنے ڈرامے میں کیا ہے۔ وہ ہمارے ملک کے ماحول پر بھی پوری طرح منطبق ہو جاتی ہے۔

کرشن چندر

قاہرہ کی ایک شام

پہلی بار — دہلی یکم مارچ ۱۹۴۱ء

افراد ڈرامہ اور اداکار

حسینہ — ثمینہ خاتون

پری — شمشاد مسرّت

صوبیدار — تاج محمد

ریواز — ایس ایس ایس ٹھاکر

دکاندار مدراسی ویٹر سپاہی اور نوکر

موسیقی — محمد حسین

صدابندی — ایم۔ اے۔ رزاق

زمانہ حال

منظرِ اوّل

قاہرہ میں انگریزی دوافروشوں کے بازار کا ایک حصّہ ۔ مرکز میں تین دکانیں پوری اور دائیں بائیں دونوں طرف دو دکانیں آدھی اور ایک چوتھائی نظر آتی ہیں ۔ بازار میں رونق نہیں ۔ دکانوں پر گاہک ہیں ۔ لیکن تعداد میں کم ۔ دکانوں پر جو بورڈ آویزاں ہیں ۔ اُن پر انگریزی فرنچ، ولندیزی نام لکھے ہوئے ہیں ۔ پردہ اٹھتا ہے ۔ تو اس کے پندرہ بیس سیکنڈ بعد حسینہ بائیں طرف سے داخل ہوتی ہے اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی، مرکز کی دکان پر جا کھڑی ہوتی ہے ۔ میانہ قد پتلی ۔ چھریرے بال پریشان آواز میں لرزش ۔

حسینہ: مجھے کیرونل KERONOL کی تین ٹکیاں چاہئیں ۔

دکاندار نمبرا: بہت اچھا مادام اسے ۔ ڈاکٹر کا نسخہ کہاں ہے ؟

حسینہ: تین ٹکیوں کے لئے ڈاکٹر کا نسخہ !

نمبرا: لے ۔ نہیں، نہیں مادام (ہنستا ہے) تین ٹکیوں سے کچھ نہیں ہو سکتا ۔ تین ٹکیوں سے تو کتے کا ایک پلا بھی نہیں مر سکتا ۔ یہ لیجئے ۔

حسینہ پڑیا لے کر نقدی نکالنے کے لئے اپنا بٹوا کھولتی ہے ۔

بائیں طرف سے ایک وجیہہ ہندوستانی سپاہی

داخل ہوتا ہے، بازو اور کندھے کے فوجی نشان
ظاہر کرتے ہیں کہ ہندوستانی فوج میں صوبیدار ہے۔
اُسی دکان پر آکھڑا ہوتا ہے، جہاں حسینہ ہے۔

صوبے دار۔ تین ٹکیاں اسپرین کی دیجئے۔

نمبر ایک۔ بہت اچھا حضور۔

صوبے دار۔ جلدی۔

دُوکاندار نمبر ا۔ لیجئے

حسینہ جلدی سے دام کونسٹر پر پھینک کر بائیں طرف
مڑجاتی ہے اور آخری دکان پر جا کھڑی ہوتی
ہے۔ صوبیدار کی نگاہیں حسینہ پر جمی ہوئی ہیں
اسپرین کی ٹکیاں جیب میں ڈال کر وہ بھی اسی
دکان پر جا پہنچا ہے، جہاں حسینہ کھڑی ہے۔

حسینہ۔ مجھے KERONOL کی تین ٹکیاں دیجئے۔

دوکاندار نمبر ۲۔ ابھی لیجئے خاتون۔ مگر ڈاکٹر کا نسخہ؟

حسینہ۔ تین ٹکیوں کے لئے ڈاکٹر کا نسخہ۔ تین ٹکیوں سے تو ایک
پلّا بھی نہیں مر سکتا۔

دوکاندار نمبر ۲۔ ہاہاہا۔ آپ سچ کہہ رہی ہیں مادام۔ یہ لیجئے تین

ٹکیاں KERONOL

صوبیدار۔ تین ٹکیاں اسپرین دیجئے فوراً۔

دوکاندار نمبر ۲۔ ابھی لیجئے حضور ـــــ ایک سینٹ۔

صوبیدار نقدی نکالتا ہے۔ حسینہ جلدی سے دائیں طرف مڑ جاتی ہے اور آخری دوکان پر جو صرف آدھی نظر آ رہی ہے۔ پہنچ کر رک جاتی ہے۔ ایک دو لمحوں کے لئے سوچتی ہے۔ پھر کونٹر پر جا کر وہی سوال دہراتی ہے۔ صوبیدار جیبوں میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ اسی دوکان پر آ کھڑا ہوتا ہے۔

حسینہ۔ کیا آپ کے پاس KERONOL کی ٹکیاں موجود ہیں؟

دوکاندار نمبر ۳۔ مادام! کیا آپ کے پاس ڈاکٹر کا نسخہ ہے۔ یہ زہر ہے مادام!

حسینہ۔ مجھے صرف تین ٹکیاں چاہیئں۔ اور جناب تین ٹکیوں سے تو ایک پلا بھی نہیں مر سکتا۔

دوکاندار نمبر ۳۔ ہاہاہا بجا فرمایا (وقفہ) یہ لیجئے تین ٹکیاں ۵ سنٹ۔

صوبیدار۔ مجھے تین ٹکیاں اسپرین کی دے دیجئے

دوکاندار نمبر ۳۔ اسنٹ۔

صوبے دار۔ ٹھیک ہے

(پردہ)

منظر دوم

پس منظر میں سمندر کی لہریں۔ سورج غروب ہو رہا ہے قریب منظر میں ساحل کی ریت جو سمندر کی لہروں سے جا ملتی ہے۔ دائیں طرف سے حسینہ داخل ہوتی ہے۔ اُس۔ اُس کے پیچھے پیچھے صوبیدار چلا آ رہا ہے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے سیٹی بجاتا ہوا چلا آ رہا ہے بائیں طرف جاتے ہوئے حسینہ رُک جاتی ہے اور صوبیدار کی طرف مڑتی ہے۔ انداز میں تھکن ہے اور اضطراب۔ صوبیدار سیٹی بجانا بند کر دیتا ہے حسینہ کی طرف دیکھ کر مسکراتا ہے اور جیبوں سے ہاتھ نکال کر اپنی انگلیوں پر گنتا ہے۔

صوبیدار۔ تین اور تین چھ اور تین نو۔

حسینہ۔ آپ کون ہیں؟ آپ کیوں میرا پیچھا کر رہے ہیں۔ شریف آدمی اِس طرح عورتوں کا پیچھا نہیں کرتے۔

صوبیدار۔ تین اور تین چھ اور تین نو۔

حسینہ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

صوبیدار۔ تین اور تین چھ اور تین نو۔ آپ کی جیب میں اس وقت ک

کی ٹکیاں ہیں۔ ان ٹکیوں سے ایک پہلوان بے شک نہ مر سکتا ہو
لیکن ایک خوبصورت خاتون ضرور جان دے سکتی ہے۔

حسینہ! آپ کا مطلب؟

صوبے دار! زندگی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسے صرف
راہِ حق میں گنوانا چاہیئے۔ خودکشی گناہ ہے اور آپ جوان ہیں اور
خوبصورت۔ جب آپ کالکینے بلیں سے اکیلی نکلیں تو میں آپ کے پیچھے
پیچھے ہو لیا۔ میں نے دیکھا۔ آپ غمگین اور اُداس ہیں۔ آپ کی آنکھوں
میں آنسو بھرے ہیں۔ اور آپ نے کیمسٹ کی دکان سے کیروتل کی
تین ٹکیاں خرید کر جیب میں رکھ لیں۔ دوسرے کیمسٹ کی دکان سے
تین اور ......

حسینہ۔ راستہ چھوڑیئے۔ آپ کو اس طرح میرا راستہ روکنے کا
کوئی حق نہیں۔

صوبے دار۔ حق ہے۔ میں ہندوستانی ہوں۔ آپ بھی ہندوستانی
ہیں۔ ہم دونوں ہم وطن اور دونوں وطن سے دُور۔

حسینہ۔ وطن سے دور۔ (سسکیاں لیتی ہے)

صوبے دار۔ آپ روئیے نہیں۔ آپ روئیے نہیں۔ مجھے بتائیے تو
سہی کیا بات ہے۔ آپ کہاں رہتی ہیں؟

حسینہ ۔ گرانڈ ہیکیفنے یں ۔
صوبیدار ۔ گرانڈ ہیکیفنے یں آپ ۔ آپ......
حسینہ ۔ میں وہاں ایک رقاصہ ہوں ۔ میرا نام حسینہ ہے ۔
صوبیدار ۔ روئیے نہیں ۔ روئیے نہیں ۔ آپ کو روتے دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا ہے ۔ کیا آپ وہاں اکیلی رہتی ہیں ۔
حسینہ ۔ نہیں میں ریلوار کے ساتھ رہتی ہوں ۔ وہ مجھے ناچ سکھاتا ہے وہ میرا استاد ہے ۔ میرا ہم رقص ہے ۔ چند دن ہوئے میری اور اس کی لڑائی ہو گئی ۔ اس نے مجھے پیٹا ۔ مجھے ۔ بیدوں سے مارا ۔ یہ دیکھو ۔ یہ دیکھو ۔ یہ دیکھو ۔
صوبیدار ۔ ظالم ۔ وحشی ۔ کمینہ ۔
حسینہ ۔ اس نے مجھے کئی بار پیٹا ہے ۔ جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی ہے ۔ وہ شراب پیتا ہے اور بے حد شکی ہے مجھے اس سے بیحد نفرت ہے ۔ عجیب قسم کا انسان ہے مجھے ایسے مردوں سے نفرت ہے ۔ مجھے سب مردوں سے نفرت ہے ۔ سبھی مرد عورتوں کو کھلونا سمجھتے ہیں ۔ انہیں بازاروں میں اٹھائے پھرتے ہیں ۔ اور جب غصہ آ جائے تو انہیں فرش پر پھینک کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں ۔ عورت کی زندگی سلولائیڈ کے کھلونے سے بدتر ہے کیوں کہ عورت میں روح ہوتی ہے ۔ ہوتی ہے نا...

صوبے دار۔ ضرور ہوتی ہے۔ (مسکرا کر) لیکن آپ نے تو کیرو نل
کی نوٹ گیاں خرید لی ہیں۔ اِن سے کیا آپ اپنی روح کو آزاد اور اپنی
ہستی کو الگ رکھنا چاہتی تھیں۔

حسینہ۔ میں اِن سے خودکشی کرنا چاہتی ہوں۔ یہ سچ ہے۔ لیکن
اس کا کیا علاج ہے۔ مجھے رلیواز ہی نے رقص سکھایا ہے۔ اس نے ہی
مجھے پالا ہے۔ تعلیم دی ہے۔ میں اس دنیا میں اکیلی تھی۔ مجھے معلوم
نہیں۔ میرے ماں باپ کون تھے۔ جب آنکھ کھلی تھی تو بھک منگوں کے
ٹولے میں تھی۔ شمالی ہند کے کئی بڑے بڑے شہروں میں بھیک مانگ
چکی ہوں۔ اب بھی کیا حالت اچھی ہے۔ ہماری ساری زندگی ہی بھیک
مانگ کر گزر جاتی ہے۔ وہ شراب پیتا ہے۔ مجھے بیدوں سے مارتا
ہے مجھے کہیں آنے جانے نہیں دیتا۔ کئی بار اس نے دست درازی
کی کوشش بھی کی ہے۔

صوبے دار۔ تو اس معمولی سی بات کے لئے آپ جان دینے پر آمادہ
ہو گئیں۔ آپ بھی کیا بچوں سی باتیں کرتی ہیں۔ میرے خیال میں اس کا
علاج تو یہ ہے کہ آپ رلیواز سے الگ ہو جائیں اور کسی اور کمپنی میں
ملازمت کر لیں۔ آپ ناچنا جانتی ہی ہیں اور.....

حسینہ۔ ٹھیک ہے خوبصورت ہوں۔ نوجوان ہوں۔ خوش ادا ہوں۔

غالباً اسی لئے آپ میرا راستہ روکے کھڑے ہیں۔ لیکن میں اپنی عصمت
بیچ کر روٹی کمانا نہیں چاہتی۔ ایک بار سیدھا راستہ دیکھ کر دوبارہ
اُس گندی گھناؤنی مسموم دلدل میں نہیں پھنسنا چاہتی۔ لیکن کیا اِس
مردوں کی دنیا میں عورت کی کوئی بنتا ہے کوئی اس کی پرواہ کرتا ہے
سبھی اس کے حسن کے پیاسے ہیں۔ اس کا اپنا کوئی بھی نہیں۔ مجھے آج
رلیواز سے الگ ہوئے پانچ دن ہو چکے ہیں، میں درجنوں کافی خانوں
میں گھوم چکی ہوں۔ کہیں کوئی ملازمت نہیں دیتا۔ باعزت ملازمت۔
بوڑھے بوڑھے گنجے سروں والے مالک مجھے گھورتے ہیں۔ مسکراتے ہیں
گھگھیاتے ہیں، ایسی ایسی شرطیں پیش کرتے ہیں کہ جی چاہتا ہے کہ جوتی
اُتار کر چندیا پلپلی کر دوں لیکن عورت کر ہی کیا سکتی ہے۔ رونے کے سوا
اور کیا کر سکتی ہے؟ میری جیب میں جو پیسے تھے وہ تو کیفے میں ختم ہو گئے،
باقی یہ ریٹلی لو کیرول کی ٹکیاں (سسکیاں لیتی ہے)

صوبیدار ۔ ہم (وقفہ) کیا قاہرہ میں رلیواز کے سوا تمہارا اور کوئی
بھی واقف نہیں ۔

حسینہ ۔ واقف تو کئی ہوں گے۔ کون خوبصورت عورت کا واقف بننا
نہیں چاہتا۔ ؟ اے خدا ۔

صوبیدار ۔ اے میرا مطلب یہ نہ تھا۔ بخدا میرا مطلب یہ نہ تھا میں

جانا چاہتا تھا کہ ..... کہ — کہ

حسینہ - میں تمہارا مطلب سمجھ گئی - ایک اور رقاصہ ہے پری اس کا نام ہے - بڑی مشکل سے گذر کرتی ہے بے چاری - میں اس کے پاس جانا نہیں چاہتی - لیکن تم کون ہو - جس سے میں ایسی باتیں کر رہی ہوں - ہٹو - مجھے جانے دو - ہٹ جاؤ -

صوبیدار - دیکھئے - دیکھئے - حسینہ ! میری بات سنو - ٹھہر جاؤ - خدا کی قسم - تم یہ بات ہرگز نہیں کر سکتیں - میں کبھی ایسا نہیں ہونے دونگا - دیکھو دیکھو - یہ تھوڑی سی نقدی ہے - میرے پاس اس وقت یہی کچھ ہے میں تمہارا ہم وطن ہوں - مجھے اپنا بھائی سمجھو - یہ لو سونے کی انگوٹھی ہے، ہندوستان سے چلتے وقت میری اماں نے مجھے اپنے ہاتھوں سے پہنائی تھی - میں یہ مقدس نشانی تمہیں سونپتا ہوں - اپنی عصمت و عفت کو بچانے کے لئے اگر تمہیں اس انگوٹھی کو بھی بیچنا پڑے تو مطلق دریغ نہ کرنا - اب تم اپنی سہیلی پری کے پاس چلی جاؤ - نہیں، ٹھہرو - وہ کیرول کی ٹکیاں مجھے دیدو - شاباش - زندگی سے گھبرانا نہیں چاہئیے - زندگی میں بہت سے دشمنوں سے جنگ کرنی پڑتی ہے - ہم بھی دشمنوں سے جنگ کر رہے ہیں - دل جمی کے ساتھ خود کشی کرنا بزدلی کا نام ہے - ٹھہرو - ٹھہرو - میں تمہیں خود تمہاری سہیلی کے گھر پہنچا آتا ہوں -

(پردہ)

منظر سوم

ایک زنانہ کمرہ، پلنگ۔ کرسیوں۔ اور پردوں سے نمایاں
ہے۔ مرکز سے دائیں طرف ایک بڑی سی کھڑکی ہے۔ اور
بائیں طرف ایک بند دروازہ ہے۔ پری ایک مونڈھے پر نیم
دراز حالت میں پڑی ہے۔ ایک چھوٹی سی تپائی پر
انگریزی شراب کی بوتل پڑی ہے۔ بوتل خالی ہے اور
کٹ گلاس کا پیمانہ اوندھا پڑا ہے۔ لیعنی پری کی طرح نیم
دراز حالت میں۔ پری کی آنکھیں غلافی ہیں۔ جسم گداز اور لباس
نیم مغربی پری کے جسم اور اس کی بات چیت سے معلوم ہوتا
ہے۔ کہ اِس نے زندگی بہت دیکھی ہے۔ ضرورت سے زیادہ۔

(دروازہ پہ دستک)

پری ۔ کون ہے؟

حسینہ ۔ (باہر سے) حسینہ۔

(دروازہ کھلتا ہے) حسینہ بھولے بھولے قدموں سے اندر داخل ہوتی
ہے۔

پری ۔ اندر آجاؤ حسینہ، کہاں رہی ہو تم اتنے دن (وقفہ) یہ نئی

انگوٹھی خریدی ہے ؟

حسینہ ۔ انگوٹھی تو پرانی ہے لیکن میرے لئے نئی ہے ۔

پری ۔ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتی ہو ۔ خیر تو ہے ۔ ریواز کا کیا حال ہے ؟

حسینہ ۔ مجھے ریواز سے ملے آج پانچ دن ہو گئے ۔

پری ۔ پانچ دن ! حسینہ تم کیا کہہ رہی ہو ؟

حسینہ ۔ کہہ تو رہی ہوں کہ مجھے ریواز سے ملے پانچ دن ہو گئے ہیں
ایک دو ۔ تین ۔ چار ۔ پانچ ۔

پری ۔ اِدھر آؤ ۔ میرے قریب بیٹھو ۔ تمہاری آنکھوں میں آنسو ابھی تک
خشک نہیں ہوئے ۔ کیا ریواز نے تمہیں پھر مارا ہے ؟

حسینہ ۔ نہیں ، نہیں پری ۔ میں آج — میں آج بہت خوش
ہوں ۔ میں نے آج ایک ایسے انسان کو دیکھا ہے ۔ جس میں روح تھی

پری ۔ روح تو سب میں ہوتی ہے ۔ لیکن خیر ۔ تم تو ہمیشہ عجیب عجیب
باتیں کیا کرتی ہو ۔ یہ بتاؤ ۔ کہ ان پانچ دنوں میں تم کہاں کہاں گھومیں
بڑی وہ ہو تم ۔ میرے پاس کیوں نہ آگئیں ؟

حسینہ ۔ اب جو آگئی ہوں ۔ کچھ نہ پوچھو پری مجھ پر کیا بیتی ہے ؟
ریواز سے لڑ کر جب میں کیفے میں پہنچی تو میری جیب میں گنتی کے چند
سکے تھے ۔ اُن دنوں اُن پر گزر ہوتی رہی ۔ ایک گندے سے ہوٹل میں ٹھہری

رہی ۔ اِدھر اُدھر ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ آج میری
جیب میں بس زہر کھانے کو پیسے رہ گئے تھے

پری ۔ پھر تم نے کیا کیا ؟

حسینہ ۔ میں نے ان پیسوں کا زہر خرید لیا۔

پری ۔ ہائے تم بہت بُری ہو۔ حسینہ، بھلا کبھی اتنی سی بات پر جان دی
جاتی ہے۔ باؤلی ہوئی ہو ۔

حسینہ ۔ ضرور مر جاتی ، اگر مجھے راستہ میں ایک صوبیدار نہ مل گیا ہوتا۔

پری ۔ یہ صوبیدار کون تھے۔

حسینہ ۔ یہ تو میں نہیں جانتی ۔ ہندوستانی فوج جو یہاں دُشمنوں سے
لڑنے کے لئے آئی ہے ؟ اس میں ہوگا۔ لیکن پری یہ میں نے پہلا آدمی
دیکھا ہے،
...... جس میں روح تھی۔ اس نے میری جیب سکّوں سے بھر دی ۔
میری انگلی میں یہ سونے کی انگوٹھی پہنا دی ۔ اور مجھے خود تمہارے دروازے
تک چھوڑ گیا۔

پری ۔ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اب میں زمانے بھر کی تکلیفوں اور مصیبتوں
کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کر سکوں گی ۔

(دستک)

پری، کون ہے ؟

ریواز۔ میں ہوں ریواز...... اوہ...... تم حسینہ یہاں۔ میں پانچ دنوں سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں، پچھلے پانچ دنوں سے قاہرہ کی گلیوں اور بازاروں کی خاک چھانتا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ تم یہاں ہو۔ یہ میری غلطی ہے۔ خیر بہت سی غلطیوں کی تم سے معافی مانگتا ہوں۔ میں بے حد نادم ہوں۔ حسینہ خدا گواہ ہے کہ میں بے حد نادم ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔ صرف یہ جان کر کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں،

حسینہ۔ تم اپنے آپ کو کبھی نہیں بدل سکتے۔ ریواز۔ ان باتوں سے اب کیا فائدہ۔ میں اب کوئی اور جگہ تلاش کر لوں گی۔ تم کوئی اور ہم رقص ڈھونڈ لو۔

ریواز۔ ہم رقص تو بہت سی مل جائیں گی۔ لیکن میں تو صرف تمہیں چاہتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمہارے سوا اب میں کسی اور کے ساتھ رقص نہیں کر سکتا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں...... کہ اب میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی جان سے عزیز سمجھا ہے۔ میں بیحد شرمسار ہوں۔ تمہارے سامنے اب میں کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤنگا۔

حسینہ۔ ریواز تم کبھی نہیں بدل سکتے۔

ریلواز ۔ میں بدل کر دکھا دُوں گا، مجھے تم سے محبت ہے۔ مگر میں تم سے اب کسی قسم کا تعرض نہ کروں گا۔ تمہیں پوری آزادی ہوگی۔ جہاں مرضی ہو جاؤ۔ گھومو کھیلو۔ دوسرے لوگوں سے ملو۔ جس سے جی چاہے ملو.......

حسینہ ایک ملکہ ہوگی۔ اور میں ایک حقیر درباری جسے تمہارے ساتھ صرف رقص کرنے کا شرف ہوگا۔ بولو ___ تم نے معاف کر دیا۔ اسکندریہ کے ایک کیفے کے ساتھ بہت اچھا معاہدہ ہونے والا ہے۔ دو تین سو روپے روز دیں گے۔ تین سو روپے روز۔ ذرا خیال تو کرو حسینہ۔ ان تین سو روپوں میں ہم کیا نہیں کر سکتے۔ اور پھر تمہیں پوری آزادی ہوگی۔ مان جاؤ حسینہ۔ پری تم ہی اُس سے کہو۔ کہ بدبخت ریلواز کو معاف کر دے۔ میں نے اسے خود تعلیم دی ہے۔ اسے تتلی کی طرح تھرکنا سکھایا ہے۔ میری زندگی کی ساری اُمنگیں اور آرزوئیں اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ میں اس کی ہر خواہش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

پری ۔ پچھلی باتوں کو جانے دو حسینہ ۔ ریلواز اس وقت تمہاری ہر بات کو ماننے کو تیار ہے ۔

حسینہ ۔ اس وقت ۔

ریلواز ۔ نہیں ہر وقت۔ میں کڑی سے کڑی قسم کھانے کو تیار ہوں،

تمہاری آنکھوں کے نیچے گڑھے پڑ گئے ہیں۔ حسینہ ۔ اسکندریہ کی آب و ہوا تمہارے حسن کو تازگی بخشے گی۔ اور پھر تین سو روپے یومیہ، بولو ہم آج رات ہی کو اسکندریہ روانہ ہو جائیں گے۔

حسینہ ۔ بہت اچھا یونہی سہی۔ لیکن تمہارے لئے یہ آخری موقعہ ہے.......

(پردہ)

منظر چہارم

ریواز کا کمرہ۔ یہ ریواز کے سونے کا کمرہ ہے اور اس کے اٹھنے بیٹھنے کا بھی۔ اس کمرے میں وہ شراب پیتا ہے اور اسی کمرے میں وہ حسینہ کو راگ اور رقص سکھاتا ہے۔ طبلہ۔ سارنگی۔ وائن شراب کی بوتلیں۔ پیمانے۔ بستر اور سرہانے پر ایک ننگی عورت کی تصویر۔ مرکز سے بائیں جانب ایک دروازہ۔ اندر سٹیج کی طرف ایک اور کمرے میں کھلتا ہے۔ یہ حسینہ کا کمرہ ہے۔ سامنے صرف سنگھار کا میز نظر آ رہا ہے۔ جس کے سامنے حسینہ بیٹھی بال سنوار رہی ہے۔ رہ رہ کر اس کے ٹخنوں پر بندھے ہوئے خلخال ایک میٹھی سی گونج پیدا کر دیتے ہیں۔ ریواز شراب پی رہا ہے۔ اور گنگنا رہا ہے۔ بائیں جانب سٹیج کے آخر میں ایک اور دروازہ آدھا دکھائی دے رہا ہے۔

ریواز: (گنگناتے ہوئے) اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے۔ جم اور (شراب انڈیلتا ہے) ساقی نے بنا کی روش لطف و کرم اور (پیتا ہے) آہ زندہ رہنے کیلئے اس دور میں شراب ہونی چاہیئے، ایسی شراب جس کی تندی اور تلخی کے سامنے زندگی کے کڑوے گھونٹ شیریں معلوم ہوں۔ شیریں

جیسے حسینہ کے شہد آگیں ہونٹ۔ عورت بھی ایک طرح کی شراب ہے،
ہی ہی ہی شراب اور عورت ۔ عورت اور شراب اور حسینہ۔
ابھی تک تیار نہیں ہوئیں کیا؟
(بلند آواز میں) حسینہ ڈارلنگ ۔
حسینہ۔ (دور سے) آئی ۔
ریواز۔ (گنگناتا ہے) ساقی نے نبا کی روشِ لطف و کرم اور ۔ اور
اب نہ وہ ساقی ہے ۔ نہ لطف ہے ۔ نہ کرم ہے۔ ریواز بیٹا اب
اب تو آگیا زمانہ ... ... ہیں ... سُنا ۔ کافی خانوں میں ناچو بیوقوف
سیاحوں کو اور بھی بیوقوف بناؤ ۔ اِس آفندی کی تعظیم کرو۔ اس
آفندی کو آداب بجالاؤ ۔
نوکر ۔ (آدھے کھلے دروازے سے اندر آکر) حضور آفندی کہہ رہے
ہیں ۔ کہ مس حسینہ کے ناچ کا وقت ہوگیا ہے ۔
ریواز ۔ ایں ۔ ہاں ہاں ۔ آفندی کو ہماری طرف سے آداب کہو۔
حسینہ بھی حاضر ہوتی ہے ۔ میک اپ کر رہی ہے ۔ حسینہ ڈارلنگ ۔
حسینہ ۔ آئی ۔ میرا لباس کیسا ہے ؟
ریواز ۔ بہت حسین ۔ اس سیاہ لباس میں تو تم تاروں بھری رات کی
طرح حسین نظر آرہی ہو۔ تمہاری روشن جبیں پر ۔ یہ جو دودھیا موتیوں

کی افشاں چنی ہوئی ہے۔ اس راستے پر کئی غریب راہی بھٹک جائیں گے۔ لیکن بھٹکنا ہی تو زندگی ہے۔ ذرا سوچو تو ہم کہاں سے کہاں آن پہنچے (صراحی انڈیلتا ہے)

حسینہ۔ اور مت پیئو۔ رات کی رانی کے ناچ میں تمہیں میرے ساتھ رقص کرنا ہے۔

ریلواز۔ رقص اور شراب بھولی لڑکی یہ دونوں شعلے ساتھ ساتھ لپکتے ہیں۔ رقص اور شراب۔ اگر میں شراب نہ پیتا تو آج اتنا چھا رقاص نہ بن سکتا۔

حسینہ۔ اگر تم شراب نہ پیتے تو آج وطن سے دُور دُور کی ٹھوکریں کیوں کھاتے پھرتے۔ ہندوستان کا وہ کون سا تھیئٹر ہے جہاں سے تم نکالے نہیں گئے۔ جہاں تم عین رقص کے عالم میں اوندھے منہ چکرا کر نہ گر پڑے ہو۔ اس کافے خانے میں بھی ایک دن یہی حال ہوگا

ریلواز۔ جب ہوگا دیکھا جائے گا۔ (درشتی کے لہجے میں) اور دیکھو میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں تمہاری ہر بات مان لوں گا۔ آخر تم مجھے کیا کہہ سکتی ہو؟ میں نے تمہیں بنایا ہے۔ میں شرابی ہی سہی لیکن تمہیں رقاصہ کس نے بنایا ہے کس نے تمہاری تخلیق کی ہے۔ تم ایک بھک منگے کی لڑکی تھیں خوبصورت بنایا۔

لیکن تمہارے ہاتھوں میں یہ ناگن کی سی رعنائی کس نے پیدا کی۔ کس نے تمہارے ٹخنوں پر بجتی ہوئی پائل میں سنگیت کی لرزتی ہوئی روح پیدا کی تمہارے جسم کے ذرے ذرے میں میرے ہی رقص کی فنکاری ہے۔ میری ہی روح کا پرتو ہے میرے ہی دل کی دھڑکن ہے۔ میں تم سے پیار کرتا ہوں۔ حسینہ۔ مجھے رقص سے محبت ہے (قلقل کی آواز) اس سے بھی محبت ہے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اسے بھی نہیں چھوڑوں گا۔ زندگی جانتی ہو زندگی نام ہے بھٹکنے کا۔ زندگی بھی ایک عجیب رقص ہے، رات کی رانی۔ آج تو تم سچ مچ رات کی رانی معلوم ہوتی ہو۔ آج ادھر آؤ میرے قریب آؤ حسینہ حسینہ۔

حسینہ۔ ہٹو۔ چھوڑ دو۔ مجھے چھوڑ دو۔ مجھے میں کہتی ہوں (چانٹا رسید کرتی ہے) مجھے تم سے نفرت ہے۔

نوکر۔ (آدھے کھلے دروازے سے اندر آکر) آفندی کہتے ہیں۔ مس حسینہ کے ناچ کا وقت ہو گیا ہے۔

حسینہ بھاگتی ہوئی آدھے کھلے دروازے سے چلی جاتی ہے اور گھنگروؤں کی صدا دور ہوتی جاتی ہے۔ چند لمحوں کے سکوت کے بعد ریواز آہستہ آہستہ ہنستا ہے اور ہنستے ہوئے اپنے پیمانے میں شراب انڈیلتا ہے۔

ریواز۔ (پیمانے کی طرف دیکھ کر) کہ مشکل ہے۔ رات کی رانی، اور آسانی سے

قابو میں نہیں آئے گی (قلقل کی آواز) کہ چنچل ہے رات کی رانی اور آسانی سے قابو میں نہیں آئے گی۔ لیکن آئے گی ضرور ریواز ایک نہ ایک دن ڈوپٹہ شب کا ڈھلکے گا۔ ڈوپٹہ شب۔

(ریواز کرسی سے لگ کر سو جاتا ہے اور خراٹے لینے لگتا ہے۔ پیمانہ تپائی پر اوندھا پڑا ہے اور سرخ شراب فرش پر پھیل گئی ہے)

(پردہ)

منظر پنجم

(ایک مصری کیفے کا اندرونی منظر، پلیٹ فارم پر حسینہ گاتی ہے۔ اور ناچتی ہے) گھونگٹ میں گوری چلے۔

حسینہ گاتے ہوئے اور ناچتے ہوئے پلیٹ فارم سے نیچے اتر کر کیفے میں بیٹھے ہوئے لوگوں کے قریب سے گزرتی ہوئی اور اچھالی ہوئی نظروں کو اپنے جسم کے خطوط دکھاتی جاتی ہے میزوں کرسیوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی وہ پھر پلیٹ فارم پر آجاتی ہے۔ وہ پھر واپس پلیٹ فارم پر آجاتی ہے...

ایک آدمی۔ آفندی یہ ہندوستانی لڑکی تم نے دیکھی۔

دوسرا آدمی۔ چاند کا ٹکڑا ہے۔

پہلا۔ اس کا رقص دیکھ کر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا پہلے دن کا چاند نیل کے آب رواں پر ہلکورے لے رہا ہو۔

ایک پنجابی۔ اوبڑا سیاں دیکھ او نے دیکھا ایہہ نظارہ امیر سر دیکھیا سی۔

ایک مدارسی ویٹر۔ VERY GOOD DANCE

VERY GOOD MY DEAR IN SOUTHERN INDIA VERY GOOD DANCE MY DEAR DONT YOU KNOW ME I AM VENKATA RANVA CHARIAR I HAVE BEEN TO BRISTOL OXFORD CAM— BRIDGE, DONT YOU KNOW ME I AM VAKATA RAGHVR CHARIRR KHANSAMAN IN THIS COFFEE SIR.

پانچواں آدمی۔ ویل (COLD COFFEE) لاؤ ہم دونوں کے لئے۔

مدارسی ویٹر۔ سر YES SIR

پانچواں آدمی۔ صوبیدار اس ناچ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

صوبے دار۔ ناچ تو اس سے بہتر بھی میں نے دیکھے ہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ لڑکی حسین ہے۔ میں ہر روز کافے میں آ کر اس کا ناچ دیکھتا ہوں۔ ہر روز یہی چیز ہوتی ہے۔ یہی ویٹر۔

پانچواں۔ (ہنس کر) اوہ یہی صوبیدار۔ اسے کیا کر رہے ہو؟

صوبے دار۔ گلدستہ پھینکنا چاہتا ہوں اور ایک ملاقاتی کارڈ۔ وہ گیا۔

مدارسی ویٹر۔ I COLD COFFEE SIR TAKE IT SIR

I AM VENKETA RAGHVA CHARIAR SIR I
THANK SIR.

صوبیدار۔ اور یہ کمبخت ابھی تک سر پر کھڑا ہے۔ بھاگو یہاں
سے کسی اور منیر کو دیکھو۔

(پردہ)

منظر ششم

وہی ریواز کا کمرہ۔ بائیں طرف کے دوسرے دروازے پر زور زور سے دستک کی آواز آتی ہے۔ ریواز بھاگ کر جاتا ہے اور دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ پھر دستک ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ پیاری سی دستک جیسے یہ دستک نہیں ایک بوسہ ہے ایک میٹھا سا بوسہ۔

ریواز - اندر آجاؤ۔

حسینہ - (جھومتی ہوئی آتی ہے)

ریواز - یہ دروازہ کھٹکھٹانے کی کیا ضرورت تھی؟

حسینہ - (بھولپن سے) مجھے آفندی نے بتایا ہے کہ یہ شریفوں کے آداب ہیں۔

ریواز - آفندی نے۔

حسینہ - اور آفندی نے مجھے یہ بتایا کہ میرا آج کا ناچ بہت ہی اچھا تھا۔ میں آج بہت ہی خوش ہوں۔

(—— گنگناتی ہے ہولے ہولے قدموں سے ناچتی ہے)

ریواز - اور یہ پیلے پیلے پھولوں کا گچھا بھی آفندی نے دیا ہے۔

حسینہ - نہیں تو —— یہ —— یہ۔

ریلواز۔ رُک کیوں گئیں۔ بول۔ بول یہ گلدستہ تجھے کس نے دیا ہے،
کمبخت لڑکی۔

حسینہ۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ ظالم بدمعاش۔

ریلواز۔ رقص تو تُو نے مجھ سے سیکھا ہے۔ لیکن یہ شریفوں کے آداب
تُو نے کس سے سیکھے ہیں؟ یہ گلدستہ میں بندھے ہوئے نوٹ بھی کیا تجھے
آفندی نے دیئے ہیں اور یہ ملاقاتی کارڈ۔

ریلواز۔ صوبیدار ——

اچھا تو یہ ہیں وہ حضرت جو ہر رات کو کیفے میں تمہارے ناچ کے
وقت دکھائی دیتے ہیں۔ سٹیج سے بائیں طرف چوتھی میز پر وہی ہیں
ناصوبیدار صاحب۔ کیا پیغام بھیجا ہے۔ میں ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جہاز
پر سوار ہونگا DOCK پر مجھے ملئے۔ خدا جانے۔ پھر کب ملاقات ہو،
تمہارا صوبیدار۔ اچھا تو یہ ہے تمہارا عاشق۔

حسینہ۔ بکومت۔ میرا ہاتھ چھوڑ دو۔

ریلواز۔ کبھی نہیں میں اپنے جیتے جی تمہیں اس فوجی افسر کی آغوش میں
نہیں جانے دوں گا۔ خدا کی قسم تم میری ہو۔ سر سے لے کر پاؤں تک
میری ہو۔ میں تمہیں کبھی اپنے چنگل سے آزاد نہیں کروں گا۔ مجھے کیا
معلوم تھا۔ تو ہر روز شام کو صوبیدار کے ساتھ گلگشت کرتی ہو۔ اسے

اب یہ خوشی دوبارہ نصیب نہ ہوگی اور اسے حق بھی کیا ہے وہ دوسروں کی خوشیاں چھین لے اس کی راحتوں کو برباد کر ڈالے۔

حسینہ۔ اور تمہیں یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ تم ایک نہتی بے یار و مددگار عورت کے دل کو روند ڈالو۔ اس کی خوشیوں کے ہرے بھرے باغ کو اجاڑ ڈالو۔ اس کی جوانی کی امنگوں اور خواہشوں کو اپنی ہوس کی آگ میں جھلسا کر ہمیشہ کے لئے خاکستر کر ڈالو۔ حتیٰ کہ اس کی زندگی میں ہنسی کی آخری کرن بھی غائب ہو جائے اور اس کی روح کے کھنڈروں میں سائیں سائیں کرنیوالی رات کے بھیانک سائے پھیل جائیں۔ یکمنے۔ وحشی۔ کیا تجھے قاہرہ کی وہ شام یاد ہے جب تم نے گڑگڑا کر مجھ سے معافی طلب کی تھی اور کہا تھا کہ اب میں تم سے کبھی برا سلوک نہ کروں گا، تیری آزادی میں کبھی دخل نہ دوں گا۔ تو ایک ملکہ ہوگی اور میں ایک حقیر درباری ملکہ، عورت اس وقت تک ملکہ ہوتی ہے جب تک وہ مرد کی ہوس رانیوں کے خلاف آواز نہ اٹھائے۔ ملکہ عورت اس وقت ملکہ ہوتی ہے جب تک وہ مرد کی ہر جائز و ناجائز خواہش کو پورا کرتی رہے۔ ملکہ۔ شاید مرد کی غلامی کا دوسرا نام ہے چھوڑ دے میرا ہاتھ۔ میں اس سے ملنے ضرور جاؤں گی۔ وہ دشمن سے جنگ کرنے جا رہا ہے۔ خدا جانے لوٹے یا نہ لوٹے۔ میرے اللہ کہیں یہ ہماری آخری ملاقات نہ ہو۔

ریلواز۔ (ڈپٹیا ہے) خدا جانے کیا یہ یقیناً تمہاری آخری ملاقات ہے۔ اب تم اُسے کبھی نہ دیکھ سکو گی۔ میں تمہیں سمندر کے کنارے نہیں جانے دوں گا۔ وہ اپنے جہاز پر تمہیں دیکھے بغیر ہی جائے گا۔ اس زندگی میں اُسے تمہاری صورت دیکھنا دوبارہ نصیب نہ ہوگا۔ تمہارے عاشق کو۔

حسینہ۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ وہ میرا عاشق نہیں ہے۔ ہاں اس نے میری مدد ضرور کی ہے۔ اس نے میری جان بچائی ہے۔ اس نے مجھے زندگی سے انسانوں سے ہاں ان انسانوں سے جن سے مجھے نفرت ہے پھر محبت اور ہمدردی کرنا سکھایا ہے میری کشتی جو نا اُمیدی اور قہر کے تیز دھارے پر بہتی ہوئی چلی جا رہی تھی اِس جیالے کی ہمت سے پھر ساحل سے آن لگی لیکن اُسے مجھ سے عشق نہیں تھا (سسکی لے کر)

کاش کہ ایسا ہوتا تو میں آج یہاں نہ ہوتی۔ تمہاری منحوس صورت نہ دیکھتی اور تمہاری زبان سے وہ باتیں نہ سنتی جو آج بھالے بن کر میرے کلیجے میں چبھے جا رہے ہیں۔

اُسے اپنا فرض پیارا تھا۔ وہ وطن کا سپاہی تھا۔ یہاں دشمن سے لڑنے آیا تھا۔ وہ محبت کے جھمیلوں میں نہ اُلجھنا چاہتا تھا کاش کہ تم اُس کی اُس قربانی اُس ایثار کا اندازہ لگا سکتے۔ میرا جسم میری روح سب کچھ اُس کے لئے تھا۔ لیکن اُس نے اپنے فرض کو مقدم جانا اور ایک تم ہو منحوس

رذیل۔ کمینے جو ایک جونک بن کر میری زندگی سے چپکے بیٹھے ہو۔
مجھے جانے دو۔ میں کہتی ہوں۔ مجھے جانے دو۔
رلیواز۔ کہاں جاؤ گی۔ اب اس خیال خام کو دل سے نکال دو میں جونک
ہی سہی لیکن میں خون نہیں پیتا میں تو شراب پیتا ہوں۔ آج تم بھی
پیو۔ یہ تمہاری محبت کی آخری رات ہے اور تمہارے اس سہاگ کے
آخری لمحے جو قاہرہ کے بازاروں میں بسا اور اسکندریہ کے کاکیفے میں اُجڑ
گیا (دروازہ بند کر دیتا ہے)
حسینہ۔ کیا کر رہے ہو۔ مجھے چھوڑ دو۔ دروازہ کھول دو خدا کے لئے۔
رلیواز میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ خدا کے لئے ایک بار مجھے اس سے
ملنے دو۔ صرف ایک بار اُس کا چہرہ دیکھ لینے دو۔ پھر تمہاری ہو جاؤں
گی پھر میں ہمیشہ کے لئے تمہاری ہو جاؤں گی۔ میں خدائے برتر کی قسم کھا
کر کہتی ہوں۔ رلیواز۔ میں پھر کبھی اس سے ملنے کی خواہش نہ کروں گی۔ میں
اس کی یاد بھی دل سے بھلا دوں گی۔ صرف ایک بار اُسے دیکھ لینے دو۔
رلیواز۔ رلیواز۔ (دروازے سے لگ کر سر جھکا لیتی ہے۔ اور پھر گھٹنوں
کے بل جھک جاتی ہے۔)

(جہاز کی کوک)

ریواز۔ تمہارے جانے کی آخری راہ بھی مسدود ہو گئی۔ اب تم اس سے کبھی نہ مل سکو گی، آؤ۔ آؤ۔ ادھر آؤ ہم تم دونوں راندہ درگاہِ محبت ہیں۔ آؤ کہ اس غبارِ محبت کو اس ارغوانی شراب میں پھونک دیں۔ پیو، پیو، پیو۔

اب جو بہار زندگی چپ چاپ سی بے حال کبھی
اٹھے صدائے درد جب کوئی کنارہ گر گیا

حسینہ۔ چلا گیا۔ ہمیشہ کے لئے کھو گیا۔ (سسکیاں لیتی ہے)

ریواز۔ میں نے تم سے محبت کی ہے۔ تم نے صوبیدار سے محبت کی ہے۔ صوبیدار نے اپنے فرض سے محبت کی ہے۔ کیا تم اس پھیلتی ہوئی زنجیر کے حلقوں کو دیکھ سکتی ہو۔ جو انسان اور ان کے دلوں میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ محبت اور فرض، فرض اور محبت۔ زندگی ان ہی دو منزلوں میں بھٹکنے کا نام ہے۔ پیو پیو۔

زندگی اک رقصِ جاوداں ہے پیاری

پس منظر میں جہاز کی کوک، جہاز کے چلنے کی آواز (وقفہ) اس دوران

حجامت

پہلی بار — لاہور ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

ڈرامے کے افراد اور اداکار

پولیس آفیسر	افتخار احمد
ملزم	رام نرائن
ڈوگر سنگھ	سلطان سنگھ چاولہ

چند سپاہی ۔ ملازم وغیرہ

زمانہ حال — وقت بارہ بجے دوپہر

منظر

تھانے میں سب انسپکٹر پولیس کا کمرہ سٹیج کے بائیں طرف ایک بڑا میز جس پر ٹیلیفون رکھا ہے۔ مرکز میں دیوار پر شہر کا نقشہ ٹنگا ہے۔ مرکز سے دائیں جانب ایک کھڑکی جس میں لوہے کی مضبوط سلاخیں لگی ہیں اس سے پرے ایک دروازہ پولیس افسر کرسی پر بیٹھا اپنے ناخن صاف کر رہا ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے۔

(ریسیور اٹھاتے ہوئے) کون؟ ہاں ہاں میں نہیں سن سکتا ہوں تمہاری آواز۔ ہاں ہاں۔ میں جانتا ہوں۔ تم مجھ سے ٹیلیفون پر بات کر رہے ہو۔ کیا کہا؟ قتل کر دیا۔ دو آدمی؟ نہیں نہیں، ہاں اچھا وہ آدمی۔ وہ آدمی کون ہے؟ کیا کہا؟ زخمی آدمی بھاگ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کہہ رہے ہو۔ وہ زخمی آدمی کدھر بھاگ گیا۔

(ڈوگر سنگھ سپاہی ایک موٹے سے بنیئے کو بازو سے پکڑے ہوئے اندر داخل ہوتا ہے)

(سیلوٹ کرتا ہے) حضور میں یہ ملزم ——

(ریسیور پر ہاتھ رکھ کر) دیکھتے نہیں میں ٹیلیفون پر بات

کر رہا ہوں ۔ بدتمیز خاموش کھڑے رہو اور ملزم کو بھی اس کونے میں لے جاؤ (ٹیلیفون میں) ہاں اچھا۔ تم کیا کہہ رہے ہو ملزم پکڑا گیا۔ مقتول بھاگ گیا۔ قاتل پکڑا گیا۔ کیا واہیات ہے میجر حیات؟ میں نے کب کہا میجر حیات؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دیکھو عبدالرحمٰن ۔ اگر تم قتل کی رپورٹ کرنا چاہتے ہو تو سیدھی طرح بات کرو۔ یہ ناک میں سارنگی کی طرح کیوں گنگنا رہے ہو؟ کیا کہا گانا؟ کون گانا سننا چاہتا ہے۔ اس وقت؟ میں کہتا ہوں ۔ کہ خدا کے لئے سنئے ہو۔ ناک میں سارنگی کی طرح نہ گنگناؤ۔ سنتے ہو؟ ہو ہو (گھنٹی بجتی ہے

پولیس آفیسر رسیور ہاتھ سے رکھ دیتا ہے) او ـــ ڈیم ـــ

(ڈوگر سنگھ کی طرف مڑتے ہوئے) اچھا ڈوگر سنگھ۔ یہ کیسے لے آئے؟

ڈوگر سنگھ۔ .... حضور اگر اجازت ہو تو عرض کروں ۔ میں ڈیوٹی پر تھا۔ کہ یہ شخص سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر شور مچانے لگا۔

سینکڑوں لوگ اکھٹے ہو گئے ۔ تانگے ۔ موٹریں ۔ چھکڑے سب رک گئے ٹریفک بند ہو گیا ۔ حضور یہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر شور مچانے لگا۔ کہنے لگا کہ میں ایک سبزی فروش ہوں ۔ میرا نام دولا ہے۔ میں نے ایک آدمی کو جان سے مار دیا ہے ۔ میں ملزم ہوں ـــ اس لئے حضور میں اسے آپ کے پاس لے آیا ہوں ۔

پولیس آفیسر ۔ (ہنستے ہوئے) کوئی بے چارا شرابی ہے ـــ کیوں

بیٹا دو لے - ہاہاہا -

ڈوگر سنگھ :- نہیں حضور ــــ شرابی بالکل نہیں صرف بات اتنی ہوئی کہ یہ سڑک کے درمیان جہاں میں کھڑا ڈیوٹی دے رہا تھا آ کر چلانے لگا - لوگو میں خونی ہوں - قاتل ہوں - میں نے ایک بھائی کو قتل کیا ہے - حضور - اب میں اسے آپ کے حضور میں پیش کرتا ہوں -

پولیس آفیسر... تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا ؟ اچھا یہ بات ہے ڈوگر سنگھ ملزم کو گرفتار کرنے سے کیوں پکڑتے ہو ؟ چھوڑ دو اس بیچارے کو - بھاگ کر کہاں جائیگا - کیوں بے دولے - کیا بات ہے - کون ہو تم ؟

دولا - حضور میں سبزی فروش ہوں - میں گناہگار ہوں (دو زانو ہو کر گلوگیر لہجہ میں) حضور میں قاتل ہوں - میں ایک خونی ہوں - میں نے خون کیا ہے - مجھے قید کر لو جیل میں ڈال دو ــ

پولیس آفیسر - (سختی سے) ـــ (نتھنے پھیلاتے ہوئے) تم خونی ہو بدمعاش -

دولا - میں بدمعاش نہیں ہوں حضور میں خونی ہوں - حضور میں سبزی فروش ہوں - میں نے ایک انسان کو قتل کیا ہے - سب انسان بھائی بھائی ہیں - ہائے ـــ حضور میں اپنے گناہوں کا کفارہ کرنا چاہتا ہوں میں مقتول کے خون کے دھبے کو اپنے خون کے قطروں سے دھو دینا چاہتا ہوں ـــ

ڈوگر سنگھ ۔ بس حضور مٹرک کے درمیان کھڑا ہو کر اِسی طرح چلاّئے
جاتا تھا۔ کہ میں نے اِس کی گردن ناپی اور ۔

پولیس آفسر۔ بکومت ـــ (دولے سے) اچھا دولے کھڑے ہو جاؤ
سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ میری طرف دیکھو۔ مجھ سے ہرگز کوئی بات نہ چھپانا ورنہ
تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اب بتاؤ۔ تم نے کس کا خون کیا ہے ۔

دُولا۔ ایک آدمی کا حضور۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں ، میں نے اپنے بھائی
کا خون کیا ہے۔ میں قاتل ہوں ۔ اب میں اِسے برداشت نہیں کر سکتا ۔ میرا
ضمیر میری گردن اُڑا دینا چاہتا ہے ۔ آہ بھائی! میں نے گناہ کیا ہے ۔ مجھے
سزا دو ۔ مجھے شکنجے میں کس ڈالو۔ مجھے رسی سے باندھ دو ۔ میری حجامت
کر ڈالو ۔

پولیس آفیسر : حجامت ۔ میں نے سُنا ہے۔ حضور کہ جیل جانے سے
پہلے ہر قیدی کے سر کی حجامت کی جاتی ہے۔ (رو کر) حضور میرے سر کے
کی حجامت کر دیجئے۔

پولیس افسر۔ کیا بکتے ہو ؟ سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ میری طرف دیکھو ۔
میرے سوالوں کا ٹھیک جواب دو ـــ

ڈوگر سنگھ (قطع کلام کر کے) حضور بس یہ اسی طرح مٹرک کے درمیان
کھڑا چلا ـــ

پولیس آفیسر۔ (سختی سے بحکومت) تمہارا ... نام کیا ہے؟ (فرش پر پڑے ہوئے ایک ٹرنک کو ٹھوکر لگا کر) ٹرنک تمہارا ہے۔

دُولا۔۔ کونسا ٹرنک؟ حضور میں ٹرنک نہیں بیچتا ۔ حضور میں سبزی فروش ہوں۔ میں پیاز۔ شلغم۔ پالک۔ گھوبھی بیچتا ہوں۔ حضور پیاز ڈھائی آنے سیر گوبھی ایک آنہ کا ایک پھول۔ شلغم دو پیسے سیر۔ بازار کے نرخ سے حضور بہت سستے بیچتا ہوں، کبھی تشریف لائیے حضور بازار کے نکڑ پر دوکان ہے۔ دھنیا ادرک مفت۔ پالک سوا دو آنے ــــ

پولیس آفیسر ۔ خاموش خاموش۔ اچھا یہ بتاؤ یہ ٹرنک کس کا ہے اگر یہ تمہارا نہیں تو ٹرنک یہاں کس طرح آیا۔ اس (سمجھانے کے انداز میں) آخر میرے دوست تم نے اُسے مار کر یا اُس کا گلا گھونٹ کر کسی ٹرنک وغیرہ میں چھپا دیا ہوگا نا اِیں۔ آخر ہمیں بھی کچھ پتہ چلے دوست۔

دُولا، میں کسی کا دوست نہیں۔ میں بنی نوع انسان کا دشمن ہوں میں نے ایک انسان کا خون کیا ہے۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔ مجھے حراست میں لے لو۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو مجھے میرے گناہ کی سزا دو۔ خدا کے لئے مجھے سزا دو۔

ڈوگر سنگھ۔ حضور یہ ٹرنک ہمارا اپنا ہے اس میں بہت سی فائیلیں بند ہیں۔ قتل کے نئے کیس۔ جن کی تفتیش ہو رہی ہے۔

پولیس افیسر۔ ہمارے پاس کتنے ٹرنک تھے؟

ڈوگر سنگھ۔ حضور چار۔

آفیسر۔ اچھی طرح گن لو۔

ڈوگر سنگھ۔ ایک۔۔ دو ۔۔ تین ۔ یہ حضور چوتھا ٹرنک ہے۔

آفیسر۔ تو۔ تو پھر یہ ملزم کہاں سے آیا۔

ڈوگر سنگھ۔ حضور یہ عین سڑک کے بیچ آکر جب میں ڈیوٹی پر کھڑا تھا زور زور سے چلّانے لگا۔

آفیسر (چیخ کر) بکو مت۔ میں یہ بھی پہلے ہی سن چکا ہوں۔ مگر اب دولے یہ بتاؤ کہ وہ جسم کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے کہ وہ مردہ ۔۔ وہ لاش کہاں ہے؟

دولا۔ لاش۔ وہ تو میرا خیال ہے کب کی سڑ چکی ہے۔ آہ وہ میرا بھائی تھا سب انسان بھائی بھائی ہیں۔

آفیسر۔ دیکھو سیدھی طرح بات کرو۔ ورنہ وہ ہنٹر لگاؤں گا کہ پیٹھ کی کھال ادھیڑ دوں گا۔

دولا۔ سیدھی طرح تو کہہ رہا ہوں۔ کہ میں نے ایک آدمی کا خون کیا ہے خون کرنے کے بعد میں نے سوچا۔ کہ اب آرام سے رہوں گا اور اس گناہ کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤں گا۔ لیکن نہیں میرا ضمیر مجھے دن رات پریشان

کرتا رہا ۔ مجھے ایک منٹ بھی آرام اور سکون نصیب نہیں ہوا ۔ زندگی ایک
مسلسل عذاب بن کر رہ گئی ۔ میرا خیال تھا کہ میں اسے بھول جاؤں گا ۔ لیکن نہیں
رات کو بھی اکثر جب میں دوکان پر سوتا تو یہی خیال مجھے ستائے رکھتا اور
میں گھبرا کر چاروں طرف نظر دوڑاتا ۔ تو کیا دیکھتا کہ ـــ

آفیسر ۔ (بات کاٹ کر) تو تم کیا دیکھتے ؟

دُولا ۔ میں گاجر، مولیاں ۔ گوبھی پالک ـــ اے حضور میں سبزی فروش
ہوں نا ۔

آفیسر ۔ (پاؤں فرش پر مار کر) سیدھی طرح بات کرو ورنہ ۔

دُولا ۔ لیکن اس سے زیادہ سیدھی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں نے ایک آدمی
کا خون کیا ہے ۔ میں ہر روز اپنے بستر پر لیٹ کر روتا ہوں اور میری بیوی مجھے
روتے دیکھ کر کہتی ہے دُولے شاہ اس طرح رونے دھونے سے ضمیر کا
بار ہلکا نہیں ہو سکتا اور تم ہر رات تکیہ اور بستر کے غلاف اور چادریں
گیلی کر دیتے ہیں تم کیوں نہیں اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیتے ۔
اب تم بوڑھے ہو چکے ہو اور یہ غم اب تم سے سہلا نہیں جائے گا ۔ جاؤ اپنے
آپ کو پولیس کے حوالے کر دو ۔ سرکار تمہیں کالے پانی بھیج دے گی اور ہم
یہاں تمہارے دُعا کریں گے ۔ یہ کہہ کر رونے لگی ۔ پھر میں بھی رونے لگا ۔ پھر ہم
سب مل کر رونے لگے ۔ اور اس طرح کوئی فیصلہ نہ کر سکے ۔ آخر ایک دن

میری بیوی نے مجھے نئی قمیض پہنائی میرے سفید بالوں میں کنگھی کی خود اپنے ہاتھ سے مجھے پراٹھے کھلائے اور پھر خود بازار کے چوک تک مجھے چھوڑ گئی۔ لیکن اس دن میری ہمت نہ بندھ سکی اور میں واپس چلا گیا۔

آفیسر — میں پوچھتا ہوں بھلے مانس یہ واقعہ کا کب کا ہوا تھا۔ وہ شخص کون تھا؟ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟

دُولا۔ اب یہ تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں، بیس بائیس سال سے اِدھر ہی ہوئے ہوں گے۔

آفیسر۔ تو پھر تم یہاں کیوں آئے ہو؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ چار ٹرنک قتل کے مقدمات کی فائلوں سے بھرے پڑے ہیں۔ مجھے فرصت نہیں کہ بائیس برس کے پرانے اور گڑے مردوں کو اکھاڑتا پھروں۔ ڈوگر سنگھ اسے باہر نکال دو۔ دیکھو میاں دُولے شاہ اِس بکواس کو بند کرو اور جاؤ خاموشی سے دوکان پر سبزی بیچو۔

دُولا۔ میں سبزی نہیں بیچنا چاہتا میں کالے پانی جانا چاہتا ہوں۔ میرا جسم پھنک رہا ہے۔ میرے دل میں آگ سی لگی ہوئی ہے۔ مجھے کوڑوں سے مارو۔ مجھے رسوں سے باندھ کر جکڑ لو۔ مجھے جیل میں ڈال دو۔ میرے سر کی حجامت کر دو۔ خدا کے لئے مجھے واپس میری بیوی کے پاس نہ بھیجو۔

آفیسر۔ اُٹھو اُٹھو۔ میرے قدموں پر نہ گرو یہاں سے فوراً دفع ہو جاؤ۔ بائیس سال کا پرانا کیس۔ ہونہہ۔

دُولے شاہ ۔ میں خونی ہوں۔

آفیسر ۔ اپنے گھر جاؤ ۔ میں کیا کر سکتا ہوں ۔

دولے شاہ ۔ میں نہیں جاؤں گا ۔ میں جیل جانا چاہتا ہوں ۔ مجھے حراست میں لے لو ۔ مجھے رسوں سے جکڑ لو ۔ میری حجامت کر ڈالو ۔

ڈوگر سنگھ ۔ بس حضور ۔ یہ اسی طرح سڑک کے بیچ ۔

آفیسر ۔ ہاں ہاں ۔۔۔ میں اسے سڑک کے بیچ درمیان میں کھڑا ہو کر چلانے کا مزہ چکھاؤں گا ۔ اسے وہ سبق دوں گا کہ ہمیشہ یاد رکھے گا ۔ میں ۔

دُولا ۔ تمہاری ہمت ہی نہیں ہو سکی ۔ کہ تم ایسا کرو ۔ مجھے حراست میں لے لو ۔ نہیں تو میں تمہاری شکایت کروں گا ۔ تم مجھ سے کوئی خلافِ قانون سلوک نہیں کر سکتے ۔ میں اپنے بیوی بچوں کو آخری بار مل کر آیا ہوں ۔ میری حجامت کر ڈالو ۔ نہیں تو میں تمہاری شکائیت کروں گا ۔ کیا تم نہیں سمجھتے کہ میرا ضمیر مجھے کتنی ملامت کر رہا ہے ۔

آفیسر ۔ ملامت ؟ سنا ؟ ڈوگر سنگھ تم نے سُنا ؟ ہم اِن لوگوں کو مدت سے ڈھونڈ رہے ہیں ۔ یہ دیکھو چار ٹرنک تنے مقدمات سے بھرے پڑے ہیں ۔ خاص سٹاف اِس کام کے لئے تعنیات کیا گیا ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا ۔ اتنا عرصہ یہ بدمعاش کہاں چھپا رہا اور اِس کے ضمیر نے اُسے ایک بار بھی ملامت نہ کی ۔ اب یکایک ۔ یہ سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر چلّانے لگا ہے ۔ ہائے میرا ضمیر

مجھے باندھ لو۔ یہاں ہم نئے مقدمات کی تفتیش میں اپنے ہوش و حواس بھلائے بیٹھے ہیں اور اب یہ کم بخت بائیس برس کے پرانے مُردے اکھاڑنا چاہتا ہے۔ دفع ہو یہاں سے بدمعاش کہیں کا۔ کالا پانی تیرے جیسے بدمعاشوں کے لئے نہیں ہے۔

دولے شاہ۔ میں کالے پانی جانا چاہتا ہوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ میری زندگی اجیرن ہو گئی ہے۔ خدا کے لئے مجھے اپنی جیل میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔ میرے بھائی میں اقبال کرتا ہوں کہ میں نے ایک آدمی کا خون کیا ہے۔ خدا کے لئے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے قید کر دو۔ میری پیٹھ پر کوڑے لگاؤ۔ میرے سر کی حجامت کر ڈالو۔

آفیسر۔ بکتے ہو تم کیا تم نے مجھے کوئی نائی سمجھ رکھا ہے۔ ڈوگر سنگھ عبدالرحمن رؤف شاہ۔ پیراندتہ۔ نکالو اس حرامزادے کو

ڈولا شاہ۔ میں نہیں جاؤں گا۔ تمہیں قید کرنا ہو گا۔ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنی ہوں گی۔ میرے سر کی حجامت کرنا ہو گی۔

آفیسر۔ نکالو۔ نکالو اِسے باہر۔

(سیڑھیوں پر قدموں کی آواز، تین چار آدمی اندر داخل ہوتے ہیں)

ایک آدمی۔ ۔ وہ رہا پاگل! پکڑو اِسے (پولیس آفیسر سے) حضور یہ پاگل پاگل خانے سے کئی روز سے بھاگا ہوا تھا۔ ہمیں پتہ چلا کہ ادھر

ڈوگر سنگھ ۔ جی ہاں ۔ حضور میں نے اسے پکڑ لیا بات یہ ہوئی کہ میں ڈیوٹی پر تھا۔ اور یہ شخص میرے قریب آ کر سڑک کے درمیان کھڑا ہو کر چلانے لگا ــــ

پولیس سے آفیسر ۔ بکو مت ۔

(پردہ)

دروازہ

پہلی بار دہلی ۱۷ اگست سنہ ۱۹۴۰ء

ڈرامے کے افراد اور اداکار

ماں	چندر کرن چھایا
کانتا	خورشید بیگم
شانتا	سرلا دیوی
مالک مکان	محمد حسین
اجنبی	تاج محمد

زمانہ حال

منظر

(کھڑکی زور سے کھلتی ہے۔ بادل کی گرج ہلکی سی اور ہوا کے فراٹے کے ساتھ بارش کی آواز کمرے کے اندر سنائی دیتی ہے)

ماں۔ اب تو بارش بھی شروع ہو گئی بیٹی ـــ (وقفہ) ـــ اور یہ ہوا کا طوفان ـــ (وقفہ) ہے ـــ اب کون آئے گا۔ اس طوفان کے اندھیارے میں ـــ (وقفہ) ـــ کانتا بیٹی۔ اب کیا وقت ہو گا؟

کانتا۔ مجھے نہیں معلوم۔

ماں۔ بتا بھی دے بیٹی (آبدیدہ ہو کر) اگر آج میری آنکھیں ہوتیں تو میں خود دیکھ لیتی۔

کانتا۔ گھڑی شانتا کے میز کے اوپر پڑی ہے۔ شانتا میز پر سے ہلے تو میں وقت معلوم کروں۔

ماں۔ شانتا بیٹی۔

شانتا۔ (کمرے کے دوسرے کونے سے آواز) ماں ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔

وقفہ

ماں۔ ساڑھے ـــ آٹھ ـــ رات ہو گئی۔ رات اور طوفان۔ اس طوفان میں اب کون آئے گا ـــ؟

شانتا۔ میں نے ونود سے کہا تھا۔

ماں۔ ونود کیوں ہمارے گھر آنے لگا۔ ونود کیوں کسی غریب بہن سے راکھی بندھوائے گا۔ شانتا تم نے ونود سے کب کہا تھا۔

شانتا۔ صبح ہی۔ ابھی وہ پوجا پاٹ سے فارغ ہوا تھا کہ اس کی بہن نے اس کی راکھی باندھ دی تھی۔ اور اُس نے اُسے ایک پونڈ دیا تھا سچ مچ کا پونڈ۔ جب میں ونود کے گھر گئی تو اُس وقت وہ ہنس ہنس کر اچی بی سے باتیں کر رہا تھا۔ لال چندن کا تلک اس کے ماتھے پر تھا۔ بال پانی سے بھیگے ہوئے تھے۔ ہاتھوں پر سنہری تاروں سے گندھی ہوئی راکھی۔ میں نے اُس سے کہا۔ بھیا راکھی بندھوا لو (آبدیدہ ہو کر) اُس نے کہا شانتا تم گھر چلو میں ابھی چلا آتا ہوں۔ اب ساڑھے آٹھ بجے ہیں۔ رات ہو گئی۔

ماں۔ رات اور طوفان۔

(شانتا سسکیاں لیتی ہے)

ماں۔ رو نہیں بیٹی۔ اِدھر آ میرے پاس۔ اگر اس وقت تیرا بھائی ہوتا میرا پیارا چاند! ہائے بُرا ہو ان ڈاکوؤں کا جو میرے چاند کو اٹھا کر لے گئے۔

(کھٹ کا)

کون ہو؟

شانتا۔ ونود !؟

(بلّی کا بولنا)

کانتا۔ (کمرے کا دروازہ کھول کر) نہیں بلّی ہے۔ بارش سے پناہ مانگ رہی۔ (میاؤں میاؤں)

ماں۔ کانتا اُسے اندر لے آ۔

کانتا۔ لیکن ہم اُسے کھلائیں گے کیا۔ گھر میں تو اب کچھ بھی نہیں۔

ماں۔ صبح کی ایک روٹی بچی تھی۔

شانتا۔ (شرمسار ہو کر) مجھے بھوک لگی تھی ماں۔ میں نے کھالی۔

(میاؤں میاؤں)

ماں۔ اگر تمہارے پتا اِس وقت زندہ ہوتے —

کانتا۔ (طنز سے) اگر۔

ماں۔ کیا کہا ؟

کانتا۔ کچھ نہیں۔

ماں۔ کچھ تو کہا ہے بیٹی۔ اندھی ماں کو نہ بتاؤ گی ؟

کانتا۔ (چڑ کر) کچھ کہا ہو تو بتاؤں۔ تمہارے کان تو جیسے ہوا میں ہر وقت کسی کی آواز کو سنتے رہتے ہیں۔

ماں۔ لیکن مجھے وہ آواز کبھی نہیں سنائی دیتی۔ جب میرا پیارا چاند مجھے

کہا کرتا تھا، ماں ناں۔ مجھے بھوک لگی ہے ماں مجھے ماسٹر نے مارا ہے،
ماں مجھے پیسہ دو ،، اُس کا وہ گورا گورا ہر وقت ہنستا ہوا چہرہ ۔

کانتا۔ (ناراضگی سے) ماں

ماں ۔ (ان سنی کر کے) جب وہ ہنستا تھا تو اُس کے دہنے گال پر
ایک عجیب خم سا پڑتا تھا۔؟ جو مجھے بہت بھلا معلوم ہوتا تھا اور جب
میں اُس کے بال سنوار کر اُسے ٹوپی پہنائی تھی ۔ اس وقت میں اندھی
نہ تھی بیٹا !

کانتا ۔ ماں ۔

ماں۔ ایک دن وہ سکول سے دوڑتا دوڑتا گھر پہنچا کہنے لگا ،، ماں
آج قصبہ میں جگہ جگہ اشتہار لگے ہوئے ہیں ۔ کہ آج یہاں ڈاکہ پڑے
گا۔ قصبے کے سب لوگ پریشان ہو رہے ہیں ،، ماسٹر جی نے
ہمیں جلد چھٹی دیدی ہے پھر کچھ دیر کے بعد چاند کے پتا جی بھی آ گئے،
انہوں نے بھی یہی بات سنائی ۔ وہ دن ہم نے جس پریشانی میں
گزارا ــــــ تم اُس وقت پیدا ہی نہ ہوئی تھیں ۔ اچھا ہوا ۔ ورنہ
ڈاکو تمہیں بھی اٹھا لے جاتے اور پھر وہ رات ،، وہ کالی بھیانک رات

کانتا ۔ ماں !!

ماں (چیخ کر) میرا آٹھ سال کا بچہ ۔ پلا پلایا میرا لاڈلا ۔ اکلوتا چاند ۔

ہائے وہ سب کچھ لے گئے تھے۔ لیکن میرے بچے کو تو نہ لےجاتے۔ میں نے
اُن کے آگے ہاتھ جوڑے۔ اپنے بال کھول کر اُن کے پاؤں پر دھرے
لیکن میرے انہوں نے ایک نہ سنی۔ کہتے تھے۔ کہ ایک مہینہ کے اندر پانچ
ہزار روپے ادا کروگے۔ تو تمہارا چاند تمہیں واپس مل جائے۔ میری ان آنکھوں
کے سامنے وہ میرے لال کو اُٹھا کر لے گئے تھے۔ تمہارے پتا رسیوں سے
جکڑے ہوئے چارپائی پر پڑے تھے۔ چاند چلا رہا تھا۔ ایک ڈاکو نے
اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور اس کے لبوں سے خون کی دھار پھوٹ
کر بہنے لگی۔ وہ میرے سامنے میرے لال کو لے گئے۔ کاش میں جنم سے اندھی
ہی پیدا ہوتی ــــ یوں کڑ کڑ کر میرے نصیبوں میں لکھا تھا۔ تمہارے پتا
بھی اس سوچ میں گھل گھل کر مر گئے۔ کہ کہیں سے پانچ ہزار روپیہ اکٹھا نہ
ہوا۔

(بادل کی گرج۔ بارش کی آواز تیز ہو جاتی ہے)

کھڑکی بند کر دو کانتا ہوا کے تیز فراٹے میرے رخساروں کو جیسے چیر
رہے ہیں۔

شانتا۔ شانتا بہن۔ کھڑکی کھلی رہنے دو۔ شاید ونود بھیا آتے ہوں
کھڑکی بند دیکھ کر واپس چلے جائیں گے۔

کانتا (دور سے کھڑکی کے قریب جا کر سر باہر نکالتے ہوئے) کوئی بھی

نہیں آرہا۔ گلی سنسان پڑی ہے۔ چوراہے پر پولیس کا سپاہی جیپ کے نیچے کھڑا بارش میں بھیگ رہا ہے۔ اب کون آئے گا شانتا بہن تم نے ایک ونود سے کہا تھا تو میں نے کتنوں سے کہا رام بھروسے سے شنکر لال سے ودیا ناتھ سے لیکن سبھی ٹال گئے سبھی کہتے تھے گھر آکر بندھوائیں گے دیکھو کوئی اس وقت پہنچا؟ کون آئے گا؟ کسے ضرورت ہے کہ غریب بہنوں کا بھائی بنے۔ مفت کا خرچ اور پھر ہماری راکھی بھی کیا ہے؟ کچے سوت کا لال دھاگا جس میں نہ زری کے تار نہ موتیوں کی جھلک۔ نہ ریشم کے مسکراتے ہوئے پھول۔ ہماری راکھی بھی ہماری زندگیوں کی طرح پھیکی۔ اداس اور بے رنگ دلو ہے۔ اس راکھی کو کون پسند کرے گا؟ تم ونود پر آس لگائے بیٹھی رہو۔ میں کھڑکی بند کئے دیتی ہوں۔

کانتا۔ (طنز سے) تو جا کر اس پولیس مین کے راکھی باندھ آؤ جو چوراہے پر کھڑا ہے۔

ماں۔ ناحق غصہ کرتی ہو کانتا بیٹی۔

کانتا۔ آج تمہیں کیا ہوا ہے۔؟

کانتا۔ تمہارے ونود بھیا جو ابھی آرہے ہیں۔ ہا ہا ہا۔ ونود بھیا

ماں۔ کانتا! کانتا!!

کانتا۔ (بلند آواز میں) تو میں کیا کروں؟ جیسے میں نے پنڈت بنارسی داس کے بیٹے کو کہا ہی نہیں۔ جیسے چترویدی جی کے لڑکے سے ہاتھ جوڑ کر التجا نہیں کی کہ آئے اور ہم سے راکھی بندھوا جائے لیکن کوئی آئے بھی تو اس گھر میں کون آئے گا اور کوئی یہاں آئے بھی کیوں؟ راکھی بندھوا کر اُسے کون سی دکشنا مل جاتی ہے، یہی سوکھی ہوئی روٹی اور باسی دال اور اب تو یہ گھر بھی ہمارا نہ رہے گا۔ میں نے تمہیں بتایا نہیں کہ مالک مکان آج دوپہر کو مجھے گھر سے باہر ملا تھا۔ آج تیسرا مہینہ شروع ہو گیا ہے۔ لیکن کرایہ ابھی تک نہیں پہنچا۔ کہتا تھا۔ اگر ایک مہینہ تک کرایہ ادا نہ کیا۔ تو اس مکان سے باہر نکلنا ہو گا۔

ماں۔ ہے بھگوان۔ ان لوگوں کا خون کس قدر سفید ہو گیا ہے لیکن سبھی لوگ تو ایسے نہیں ہوتے۔ سبھی لوگوں کے دل تو ایسے کٹھور نہیں ہوتے۔ راکھی کی کتھا میں شرون کمار کا بھی ورنن ہے۔ شرون کمار بھی تو ایک کمار کے بیٹے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے اندھے ماں باپ کی کتنی سیوا کی دن رات انہیں ڈولی میں اٹھائے کاندھوں پر اٹھائے پھرے اور سارے بھارت ورش کی جاترا کرادی۔ یہی شرون کمار جینتی کا دن ہے اور آج کوئی غریب بہن کو راکھی بھی نہیں باندھنے دیتا۔ کہ شاید مرجادا کا پالن کرنا پڑے۔ آج راکھی کا پوتر تہوار ہے اور اشنان اور پوجا

پاٹ کے بعد وید منتروں کا اچارن اور ہون کے ساتھ لوگ پرانے جنیو بدلتے ہیں۔ گویا زندگی کا ایک نیا چولا، نیا روپ بدلتے ہیں اور میری بچی کی کوئی راکھی قبول نہیں کرتا۔

کانتا۔ (تلخی سے) یہ بھی تو ایک روپ ہے۔

شانتا۔ ماں۔ کیوں اپنے جی کو ہلکان کرتی ہو۔ کانتا تو بھی یوں کچھ سے پر کچھ کہے دیئے جاتی ہے۔ ماں!! اس جی جلانے سے کیا حاصل؟ اب سو جاؤ۔

ماں۔ میں سوتی رہوں یا جاگتی رہوں۔ میرے سونے اور جاگنے میں فرق ہی کیا ہے۔ میرے لئے تو کل دنیا اسی دن ایک کالی رات بن گئی تھی جس دن میرا لال مجھ سے چھینا گیا تھا۔ پھر جب بچّے مر گئے تو زندگی کی آخری کرن بھی غائب ہو گئی۔ میرے لئے تو اس جنم میں اندھیارا ہی اندھیارا ہے۔ یہ وہ کالی رات ہے بیٹی۔ جس کی کوئی صبح نہیں۔ وہ درد ہے۔ جس کی کوئی دوا نہیں۔ وہ دکھ ساگر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ (ہوا کا جھونکا روزنوں میں سے گزر کر ایک دردناک سیٹی پیدا کرتا ہوا گزرتا ہے) یہ کس نے آواز دی؟

شانتا۔ کوئی نہیں ہے ماں! گلی بالکل خالی ہے۔ یہ ہوا روزنوں میں سے آواز پیدا کرتی ہوئی گزر رہی ہے۔

کانتا۔ سو جاؤ ماں اور اپنے ان گیلے رخساروں کو پونچھ ڈالو۔ اُٹھو ماں۔۔۔

ماں۔ بہت اچھا بیٹی۔ بہت اچھا بیٹی۔ چلو مجھے اوپر سونے کے کمرے میں لے چلو۔ فرش پر لکڑی ٹیکنے کی آواز۔ قدموں کی آواز۔

کانتا گنگناتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ پُر سوز لے میں گاتی ہے،

نیر بھرے نینن کی پنچھی
کس بدھ پیاس بجھاؤں
من کی بنیا ٹوٹ چکی
اب کیسے اسے بجاؤں
چھوٹی سی نینن کی نیّا
بیچ سمایو ساگر
پلکوں کے پتوار لگا کر
کس بدھ پار لگاؤں
پنچھی کس بدھ پیاس بجھاؤں
ہردے میں دکھ درد بہت ہے
گھاؤ بہت ہیں پیڑ بہت ہے
پھر بھی یہ سونی ہے لبتی

کیسے اسے بساؤں
پنچھی کس بدھ پیاس بجھاؤں
پنچھی

شانتا۔ کانتا بہن تم رو رہی ہو۔
کانتا۔ (کھڑکی کھول کر) مینہ تھم گیا ہے۔
(دروازے پر دستک)
کانتا۔ تمہارے بھیّا دنود ہوں گے۔
شانتا۔ نہیں پنڈت ودیا ناتھ ہوں گے۔
آواز۔ دروازہ کھولو۔ (دروازہ کھولنے کی آواز)
کانتا۔ اخاہ، آپ ہیں۔ تشریف رکھئے۔ کہیے اس وقت کیسے آنا ہوا؟ غالباً آپ راکھی بندھوانے کے لئے آئے ہیں۔ ذرا ٹھہریئے میں ابھی لال رنگ کا دھاگا لائی۔
مالک مکان۔ میں ــــ ار ــــ میں ــــ راکھی ــــ اللہ ــــ میں حاضر ہوا تھا یہ کہنے کے لئے کہ آپ نے تین ماہ کا کرایہ ادا نہیں کیا ہے ــــ میں ار ــــ ار ــــ راکھی نہیں بندھواؤں گا۔ میں تو کبھی کا بندھا چکا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اگر آپ نے پرسوں تک کرایہ ادا نہ کیا۔ تو آپ کو اِس مکان سے نکلنا ہو گا

کانتا۔ اچھا یہ بات ہے۔ آج صبح ایک ہفتہ کی معیاد ملی تھی۔ اب دو دن رہ گئے۔ شریمان جی آج راکھی کے دن بھی آپ کو ایسی بات کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ بھیڑیے میں لال سوت لاتی ہوں۔

مالک مکان۔ ار۔ ار۔ نہیں نہیں میں یہی کہنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اب میں چلتا ہوں۔ مجھے ضروری کام ہے،

(دروازہ زور سے بند ہو جاتا ہے)

(وقفہ)

شانتا۔ گیا!

کانتا۔ نہیں سمجھو سر پر ایک اور مصیبت آئی۔

شانتا۔ اب کیا ہوگا — وقفہ — کانتا بہن — وقفہ —

کانتا بہن۔! یہ تم کھڑکی میں کھڑی کسے دیکھ رہی ہو۔؟

کانتا۔ اپنے آنے والے دنوں کو

شانتا۔ میں نے جو بستر کی چادر کاڑھ کر دی تھی اُس کے مجھے صرف آٹھ آنے ملے ہیں۔

کانتا۔ دو روپے کرایہ کے لئے میں نے بھی بچا رکھے ہیں۔

شانتا۔ یہ تو ڈھائی روپے ہوئے۔ ابھی چھ روپے اور چاہئیں۔

کانتا۔ ہاں چھ روپے اور چاہئیں۔

شانتا۔ اب کیا ہوگا! پرسوں تک چھ روپے کہاں سے آئیں گے؟ مجھے تو کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔ چاروں طرف اندھیارہ ہی اندھیارہ دکھائی دیتا ہے۔

کانتا۔ (طنز سے) ماں کی اندھی آنکھوں کیطرح!

شانتا۔ کانتا بہن تم مذاق کرتی ہو بیہودہ مذاق۔ مجھے تمہاری یہ عادت مطلق پسند نہیں۔ اپنی ماں کے متعلق یہ الفاظ؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، میں تو پوچھتی ہوں کہ یہ چھ روپے ہم پرسوں تک کہاں سے لائینگے،

کانتا۔ سوچو! دماغ پر زور دو۔

شانتا۔ مجھے تو کچھ نہیں سوجھتا۔

کانتا۔ جب سب دروازے بند ہو جائیں اُس وقت بھی عورت کے لئے ایک دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا رہتا ہے۔

شانتا۔ تم کیا کہہ رہی ہو؟

کانتا۔ اِس دنیا میں مرد مالک ہیں۔ اور عورتیں غلام۔ مرد خریدار ہوتے ہیں۔ اور عورتیں جنس خرید۔ مرد کتے ہیں اور عورتیں ہڈیاں۔ مرد ان کا بندھوانا پسند نہیں کرتے۔ وہ انکی توڑنا پسند کرتے ہیں،

شانتا۔ کانتا بہن تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟

کانتا۔ سنو۔ اِس کھڑکی کے ساتھ ایک دوسری کھڑکی ہے۔ اِس میں سے

ایک اوباش مزاج نوجوان مجھے اکثر گھورا کرتا ہے۔ وہ ایک لحاظ سے خوبصورت بھی ہے اور دولت مند بھی اور پھر اِس مکان کے نیچے گیرج میں اُس کی موٹر بھی ہے۔ اُس نے کئی بار مجھے پریم پتّر لکھے ہیں لیکن میں نے کسی کا جواب نہیں دیا۔ مجھے اُس کی کھڑکی میں سے ابھی تک روشنی نظر آرہی ہے۔

شانتا۔ کانتا بہن کھڑکی بند کرلو۔

کانتا۔ تمہاری سب آشائیں پوری ہو سکتی ہیں۔ سبھی — چھ روپے نہیں سینکڑوں روپے۔ ہزاروں روپے بولو۔

شانتا۔ کانتا بہن کھڑکی بند کرو — کھڑکی سے پرے ہٹ جاؤ نہیں مجھے خود ہی اِسے بند کرنا ہوگا۔

(کھڑکی کے بند ہونے کی آواز)

فرش پر تیز قدموں سے بھاگنے کی آواز کسی جسم کے

(دروازے سے زور سے لگنے کی آواز)

کانتا۔ ہٹو مجھے جانے دو۔

شانتا۔ نہیں، میں نہیں جانے دوں گی۔

کانتا۔ دروازہ کھول دو۔

شانتا۔ نہیں میں دروازہ کبھی نہیں کھولوں گی۔

کانتا۔ میں کہتی ہوں۔ دروازہ۔ دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دو۔

شانتا۔ نہیں، نہیں۔ کبھی نہیں۔

کانتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ تم ایسے نہیں ہٹوگی۔

(کشمکش کی آواز۔ شانتا کے منہ سے ایک بلند چیخ نکلتی ہے لیکن کانتا فوراً ہی اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) (وقفہ)

(دروازہ پر دستک۔ زور زور سے دستک)

(وقفہ)

آواز۔ دروازہ کھولو۔

(وقفہ)

کانتا۔ (سرگوشی سے) دروازہ کھول دو۔ اب تو۔

(دروازہ کھلنے کی آواز)

(ایک اجنبی اندر داخل ہوتا ہے)

اجنبی۔ اوہ میں سمجھا۔ کوئی خون خرابہ ہو رہا ہے۔ میں باہر سے گزر رہا تھا۔ کہ میں نے ایک چیخ سُنی۔

کانتا۔ چیخ یا قہقہہ؟

اجنبی۔ کچھ سمجھ تو نہیں۔ لیکن مجھے تو چیخ ہی سنائی دی۔

شانتا۔ بیٹھ جائیے۔ تشریف رکھیے۔

اجنبی۔ شکریہ (وقفہ)

(کیا آپ دونوں بہنیں یہاں اکیلی رہتی ہیں)

کانتا۔ یہ آپ نے کس طرح جانا کہ ہم دونوں بہنیں ہیں؟

اجنبی۔ (ہنستے ہوئے) آپ کے چہروں سے۔

شانتا۔ جی ہاں ہم اپنی ماتا جی کے ساتھ یہاں رہتی ہیں۔

اجنبی۔ اگر آپ بُرا نہ مانیں۔ تو پوچھوں کہ جھگڑا کس بات پر ہو رہا تھا۔

کانتا۔ راکھی تیوہار پر۔

اجنبی۔ اچھا آج راکھی ہے۔

کانتا۔ آپ کو معلوم نہیں؟

اجنبی۔ میں بہت مدت سے سفر میں ہوں اِس جگہ ابھی ابھی وارد ہوا ہوں۔ سفر میں آدمی بہت سی باتیں بھول جاتا ہے — اچھا تو پھر کیا ہوا؟

کانتا۔ یہ کہہ رہی تھی۔ کہ راکھی کا تیوہار اچھا ہے اور میں کہہ رہی تھی کہ مجھے اتنا پسند نہیں۔ شاید اِس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہم دونوں بہنوں کو آج بہت مایوسی ہوئی ہے۔ آپ دیکھئے ہمارا کوئی بھائی نہیں،

شانتا۔ اور آج کسی نے ہم سے راکھی نہیں بندھوائی۔

کانتا۔ اور میں بہن شانتا سے کہہ رہی تھی۔ کہ دروازہ کھول دے سامنے مکان ــــ

شانتا۔ خاموش کانتا! ــ تو کیسی بچوں کی سی باتیں کرتی ہے۔

(وقفہ)

وقفہ۔ ہوں یہ بات ہے۔ (وقفہ)

اجنبی۔ کانتا لاؤ۔ تم۔ مجھے راکھی باندھ دو۔ اور شانتا بہن تم بھی!

کانتا۔ کیا آپ راکھی بندھوائیں گے سچ مچ؟

شانتا۔ لیکن آپ تو پردیس میں ہیں۔

اجنبی۔ پردیسی بھی بھائی بن سکتے ہیں۔ بہن۔

کانتا۔ میں ابھی لال دھاگا لاؤں۔

شانتا۔ ۔آپکا نام کیا ہے،

۔اجنبی۔ مجھے اچھے کمار کہتے ہیں۔

کانتا۔ لیجئے ہاتھ بڑھایئے۔ شانتا تم بھی ــــ دوسری کلائی پر۔

شانتا۔ اچھے بھیا۔

(سیڑھیوں سے اُترنے کی آواز)

شانتا۔ یہ کیا؟ پونڈ! سچ مچ کے پونڈ۔ سونے کے پونڈ۔

اجنبی۔ غریب بھائی کی طرف سے یہ تدر قبول ہو۔

(لکڑی کا ٹیکنے کی آواز قریب ہو جاتی ہے)

شانتا ۔ (سرگوشی میں) ماں جی ہمیں ۔

ماں ۔ کون ہے ! یہ کیا جھگڑا ہو رہا ہے ؟

شانتا ۔ (سرگوشی میں) آپ ٹکٹکی لگائے اِن کی آنکھوں کی طرف کیوں تک رہے ہیں ؟ انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا ۔

کانتا ۔ ہم راکھی باندھ رہے تھے اور شانتا خوشی سے ناچ رہی تھی ۔

ماں ۔ کیا دنود آگئے ؟

شانتا ۔ نہیں ماں یہ اجنبی بھیّا ہیں (سرگوشی میں) ماتاجی کو پرنام کرو ۔

اجنبی ۔ ماتاجی پرنام ۔

ماں ۔ جیتے رہو بیٹا ۔ تم کون ہو ؟ اِدھر کیسے آئے ؟

اجنبی ۔ جی میں باہر سے گزر رہا تھا ۔ اس کمرے میں ان دونوں بہنوں کے جھگڑے کی آواز سنی ۔ دروازے پر دستک دی اور (ہنس کر) اندر چلا آیا ۔ یہاں ان دونوں شریر لڑکیوں نے مجھے راکھی سے باندھ دیا ۔

ماں ۔ بہنیں ہیں بیٹا یہ تمہاری بہنیں ۔ اِس عمر میں راکھی باندھنے کی بہت چاہ ہوتی ہے ۔ اچھا بیٹا تم اِس شہر میں کیسے آ رہے ہو ؟

اجنبی ۔ یونہی ڈھونڈتا ہوا آ رہا ہوں ۔ کھوج نکالنے کے لئے نکلا ہوں ۔

اجنبی - اپنے ماں باپ کو مدت ہوئی مظفر گڑھ سے مجھے ڈاکو اُٹھا لے گئے تھے بہت مدت تک اُن کے ساتھ رہا۔ پھر ایک دن اُن کے چنگل سے نکل بھاگا، بمبئی جا کر ملازمت اختیار کر لی۔ پھر ماں باپ کا پتہ لگانے نکلا۔ مظفر گڑھ گیا۔ معلوم ہوا پتا جی کا انتقال ہو گیا ہے پھر اِس شہر کا کسی نے پتہ دیا اور میں اِدھر سے ـــ

ماں - (اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے لکڑی زمین پر گر جاتی ہے۔ اِدھر آؤ بیٹا اچے کمار۔ ذرا میرے قریب آؤ۔ میں تمہیں اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں)

(قدموں کی آواز)

اور قریب آؤ بیٹا۔ تمہارا چہرہ کہاں ہے؟ کہاں ہو تم اچے کمار بیٹا۔ یہ آنکھیں تمہیں پہچان نہیں سکتیں۔ لیکن ماں کی اُنگلیاں تمہیں پہچان لیں گی۔ ہاں یہ وہی ناک ہے وہی ہونٹ یہ کان کے پاس وہی تل میرے لال میرے چاند۔ میری چھاتی سے لگ جاؤ بیٹا۔ تم نے مجھے بہت دُکھ دیا ہے۔ (سسکیوں کی آواز)

اجنبی - ماں۔

کانتا شانتا بھیّا!

ماں - ہاں ہاں وہی تو ہے تمہارا چاند۔ وہی گھنگریالے بال ہیں جن میں

کنگھی کر کے تمہیں ٹوپی پہنایا کرتی تھیں۔ وہی ابرو اور یہاں زخم کا نشان، بیٹا مجھے اچھی طرح پکڑ لو۔ مجھے گرنے نہ دینا اپنے طاقتور بازوؤں کا سہارا دو۔ میرے چاند۔ میری اندھی آنکھوں کے روشن ستارے۔ میری اُجڑی زندگی کے اُجیارے ـــ

اجنبی۔ماں۔

(پردہ)

بیکاری

پہلی بار — لاہور۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء

افرادِ ڈرامہ اور اداکار

بھیّا لال	کنہیا لال
شیام سندر	کے رسی
اظہر	چتر بھج
سپاہی	چودھری

منظر

سندھ ہوسٹل میں ۴۴ نمبر کا کمرہ گندہ، خاک آلودہ۔ دو چارپائیوں پر میلے بستر، ایک میز پر بہت سی کتابیں۔ سیگرٹوں کا ڈبہ۔ قلمدان اور تھوڑی سی نقدی۔ ایک چارپائی شیام سندر بال بکھرے غمگین صورت بنائے بیٹھا ہے اور سگریٹ کے کش لگا کر دھوئیں کے مرغولے سے ہوا میں چھوڑ رہا ہے۔ یکایک دروازے سے بھیّا لال داخل ہوتا ہے۔ لمبا۔ دُبلا پتلا جوان ہے گال اندر پچکے ہوئے۔ زرد رُو۔ ایم اے پاس)

بھیّا لال ۔ (چارپائی پر بیٹھ کر) آج وہ بدلہ لیا کہ ساری عُمر یاد ہی رکھے گی۔ یہ اونچے طبقے کے لوگ نہ جانے کیوں ہمیں کیڑوں مکوڑوں سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں۔

شیام سندر ۔ (ایک حزیں مسکراہٹ کے ساتھ) کیا بات ہوئی؟ کس سے بدلہ لیا؟ وُہ بدقسمت کون ہے۔؟

بھیّا لال ۔ وہی تو ہے ڈاکٹر گھنشام لال کی بیوی جمنا۔ اُوہ مگر تم اُسے نہیں جانتے۔ موٹی سانولی سی ہے۔ دو بچے ہو جانے پر بھی ایف اے میں پڑھتی ہے۔ میں آج تین مہینے سے اُسے تواریخ پڑھا رہا ہوں۔

سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ عورتوں کو تو ہر چیز کی کیا ضرورت ہے۔ انہیں
تو چولہا چوہیئے۔ خیر ہمیں تو اپنے پیسوں سے کام ہے دو گھنٹے
پڑھاتا ہوں۔ پندرہ روپے ملتے ہیں۔

شیام سُندر۔ غنیمت جانو۔

بھیّالال (ایک نقلی آہ بھر کر) ٹھیک ہے مگر..... میری شکل و صورت
میں اِسی بارے میں تم سے مشورہ کرنے آیا تھا کہ۔

شیام سُندر۔ (بات کاٹ کر) مگر تم سے کس مسخرے نے کہدیا کہ میں
حسن کا جراح ہوں۔

بھیّالال۔ (بات اَن سنی کر کے) اوہ! میں اپنی صورت کو کیا کہوں۔
میرا رنگ قدرتی طور پر زرد ہے۔ جس سے ہر شخص کو مجھ پر تپدق کا مریض
ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اب بتاؤ میں کیا کروں۔ جس دن سنڈے ٹائمز میں
اشتہار دیکھا۔ اُسی دن عرضی لے کر ڈاکٹر گھنشام لال کے پاس چلا گیا۔
وہ تو وہاں نہیں تھا۔ اور آخر پڑھا بھی تو اُس کی بیوی ہی کو تھا مجھے
دیکھتے ہی گھبرا گئی۔ کہنے لگی۔ آپ کچھ بیمار تو نہیں رہتے اور یہ اُس نے
کچھ ایسے ہمدردانہ لہجہ میں پوچھا۔ کہ مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔ جھوٹ موٹ
کہدیا "جی ہاں"۔ وہ اِس پر کچھ گھبرا سی گئی۔ رُکتے رُکتے بولی "اوہ۔
آپ۔ آپ کو کیا بیماری ہے۔ میں نے ایک قدم اُس کے قریب

بڑھ کر کہا ،، تپ — محرقہ۔ ٹائیفائیڈ" وہ یہ سن کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ کہنے لگی۔ تپ محرقہ؟ گویا اُسے اب بھی یقین نہیں آتا تھا کہ میرے جیسا متین صورت بھی کبھی تپ محرقہ میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ میں نے سوچا۔ بچاری نہایت ہمدرد اور غریب نواز معلوم ہوتی ہے اور لگے ہاتھوں اِس کا فائدہ اُٹھالیں۔ چنانچہ میں نے اور بھی مسکین بن کر کہا۔ جی ہاں ٹائیفائیڈ۔ پچھلے چار مہینے بستر پر پڑا رہا ہوں۔ کہیں جاکر افاقہ ہوا ہے۔ آپ کا اشتہار پڑھا۔ کہ آپ کو ایک اُستاد کی ضرورت ہے جو دو گھنٹے روزانہ تواریخ کا درس دے سکے۔ اسی لئے حاضر ہوا ہوں۔ فیس وغیرہ طے کر لیجئے۔ یہ رہے سرٹیفکیٹ باقی رہی ذہنی قابلیت تو اس کے لئے میرا صرف یہ ہی کہہ دینا، مگر وُہ جلد ہی بیچ میں بول اُٹھی، نہیں نہیں،، اس نے پریشان لگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنی جلدی کیا پڑی ہے۔ آپ کم از کم دو تین ہفتوں کے بعد ضرور تشریف لائیے۔ اے یاد خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو بہت بہت کوسا۔ مگر اب بکر بیٹھنے سے کیا ہوتا تھا۔ ناچار واپس چلا آیا۔ اور پھر دوسرے دن ڈاکٹر گھنشام لال کے ایک جگری دوست سے سفارش بھی پہنچائی۔

" مگر وہ تو بیمار معلوم ہوتے تھے "، ڈاکٹر کی بیوی نے سفارش کے جواب میں کہا۔ انہوں نے مجھے خود بتایا۔ کہ انہیں تپ محرقہ تھا۔

میری سفارش کرنے والے نے ہنس کر کہا۔ میں نے اسے آج تک کبھی بیمار نہیں دیکھا۔ اس بے چارے کی شکل ہی ایسی ہے ـــــ

" اور یہ ہے بھی ٹھیک ـــــ میں اسے مدت سے جانتا ہوں۔

یہ بھی ٹھیک تھا ـــــ

تو اب تین مہینے سے اسے پڑھا رہا ہوں۔ بالکل کوڑ مغز ہے۔ دل میں مدت سے کسک تھی کہ اس سے بدلہ لوں۔ سو آج موقع مل گیا۔

شیام سندر کیا ہوا۔

بھیّالال۔ (جیسے اس نے سوال کو سنا ہی نہیں) یوں تو اس میں اب مجھے بھی کچھ شک نہیں کہ صورت سے میں تپدق کا مریض دکھائی دیتا ہوں۔ مگر کیا تم نے وہ انگریزی ضرب المثل نہیں سنی۔ کہ صورتیں اکثر دھوکا دیتی ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ جب میں پانچویں جماعت میں تھا اس وقت بھی ایسا ہی دبلا پتلا تھا۔ اور جماعت میں ہمیشہ ہر مضمون میں اوّل رہا کرتا تھا۔ چنانچہ حسب عادت پانچویں جماعت

میں بھی اوّل ہی رہا۔ جب سالانہ جلسہ پر انعام تقسیم ہونے لگے، تو میرے حصّہ میں بہت سے انعام آئے۔ اُن دنوں میں میری جماعت میں ایک اور لڑکا بشنداس بھی پڑھتا تھا۔ نہایت ہی خوبصورت وجیہہ توانا تھا۔ نہایت اچھا کلا پایا تھا۔ کمبخت نے اُسے بھی موسیقی میں اوّل رہنے پر تمغہ ملا۔ مجھے یاد ہے وہ مجھے تپدق کہا کرتا تھا۔ اُس دن جلسہ پر اُس کی خوبصورت بہنیں بھی آئی ہوئی تھیں۔ اور میری دُبلی پتلی بہنیں بھی اور جب میں بہت سے انعام سمیٹ کر لے گیا تو لبشنداس کی بہنوں نے میری بہنوں کو اُونچی آواز میں سُنا کر کہا آہ بچارا بھیا لال یہ سب انعام اُس کے کس کام کے جب کہ اُس کو تپدق ہے۔ مجھے یاد ہے میری بہنوں نے بہت بُرا مانا تھا۔ مگر قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو میں ابھی تک زندہ سلامت ہوں اور بچارا شکیل و توانا بشنداس دو سال ہوئے تپ دق سے بیمار ہو کر چل بسا۔ آہ صورتیں کس قدر دھوکا دیتی ہیں۔ وہ بہت اچھا آدمی تھا۔ اور جب کبھی میں پچھلے سالوں میں اپنے گاؤں گیا ہوں۔ وہ ہمیشہ مجھ سے میری صحت۔ میری کھانسی۔ میری حرارت عزیزی کے متعلق سوال کیا کرتا تھا۔ اور یہ سوال تو ہر اُلّو کا پٹھا جو مجھے دیکھ لے ایک دم سے جڑ دیتا ہے۔ مثلاً اگر میں کسی ڈاکٹر کے پاس چلا جاؤں اور اُس سے کہوں کہ مجھے خفیف سی کھانسی آتی ہے۔ تو وہ میری شکل دیکھ

کر بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔
"آپ کو رات کو پسینہ تو نہیں آتا؟
"جی نہیں۔ البتہ دن کو ضرور آتا ہے۔ خصوصاً جب کہ ورزش کرتا ہوں"۔
"کیا آپ کو کھانسی کے ساتھ خون بھی آتا ہے؟"
"نہیں جی۔ خون تو نہیں۔ مگر بلغم ضرور نکلتا ہے۔
"اور ــــ بخار؟"
"ابھی تک تو نہیں ـــ لیکن اگر آپ کے سوالوں کی یہی رفتار رہی تو عین ممکن ہے کہ جلد ہی ـــ"
ڈاکٹر۔ (قطع کلام کر کے) آپ کمرے سے باہر تشریف لے جائیں۔
بس تقریباً جس ڈاکٹر کے پاس جاؤں یہی ہوتا ہے۔ اب میں صلاح کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر یار محمد سے اپنی چھاتی اور پھیپھڑوں کا ایکس رے فوٹوگراف لے کر ہمیشہ پاس رکھوں۔ تاکہ جب کوئی نیا ڈاکٹر یا پرانا حکیم سوال کرے آپ کو پسینہ تو نہیں آتا؟ خون نکلتا ہے۔؟ بخار کب سے؟ تو جھٹ یہی ایکسرے فوٹو اس کے ہاتھ میں دے دوں اور کہوں۔ بھلے مانس کل کو میں نے ذرا اچار زیادہ کھا لیا تھا۔ اس لئے صرف کھانسی کی دوا چاہیئے۔

شیام سندر ۔ نیک خیال ہے ۔
بھیالال ۔ بچارے ... ڈاکٹر لوگ تو الگ رہے ۔ خود میرے اُستاد کیا کہوں ؟ — بہت دنوں کی بات ہے ۔ میں اُن دنوں نئی نئی ورزشیں سیکھ رہا تھا ۔ چاہتا تھا کہ اپنے نحیف جسم کو فربہ بنالوں اور چہرے کی زرد رنگت کو گلاب کی سرخی میں تبدیل کر دوں چنانچہ خوب ڈنڈ پیلتا تھا اور دُودھ پیتا تھا ۔ تین چار مہینے یہی کیفیت رہی ۔ اِس کے بعد ہمارا جغرافیہ کا ٹیچر جو ساڑھے تین مہینے کی چھٹی لے کر اپنی لڑکی کا بیاہ کرنے کے لئے جنڈیالہ گیا ہوا تھا ۔ واپس آگیا اور مجھے گراؤنڈ کے قریب ملا ۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا ۔ اوہ تم بہت کمزور ہو گئے ہو ۔ کیا بیمار ہو گئے تھے ۔ میں نے دل میں سوچا بیمار تو نہیں رہا البتہ ورزش ضرور کرتا تھا ۔ اُس دن سے لے کر آج تک میں نے پھر ورزش نہیں کی ۔ بھلا ورزش کا فائدہ ہی کیا ہے ۔ جب یہ دوسروں کو مغالطہ میں ڈال دے اور پھر مفت میں اپنے جسم کو تکلیف دینا ۔ قید بامشقت نہیں تو اور کیا ہے ۔
شیام سندر ۔ نہیں آپ ورزش سے اپنے جسم کو صحت مند بنا سکتے ہیں ۔ ورزش سے جسم میں چستی آتی ہے ۔ جسم بہت ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے
بھیالال ۔ مجھے بتلاتے ہو، شیام سندر ؟ تیسری جماعت کا سبق دہرا

رہے ہو۔ اِس میں تو اور بھی کئی نکمی اور جھوٹی باتیں لکھی ہیں مثلاً دیانتداری نہایت اچھی ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ دیانتداری بڑی نعمت ہے۔ دوسرے کی چیز پر نگاہ ڈالو۔ سب بکواس۔ سفید جھوٹ

شیام سندر۔ تم ڈاکٹر گھنشام لال کی بیوہ کا ذکر کر رہے تھے۔ جیسے تم پڑھاتے رہے ہو۔

بھیّا لال۔ ہاں میں جمنا کا ذکر کر رہا تھا۔ مگر تم نے کبھی سوچا کہ میری بدصورتی میں میرا کتنا قصور ہے۔ میرے ماں باپ بھی ایسے ہی تھے۔ قصور تو اُن کا ہے۔ کہ اپنی بدصورتی کو جانتے ہوئے بھی مجھے جنم دیا۔

شیام سندر۔ یہ تو محض حسنِ اتفاق تھا۔

بھیّا لال۔ مجھے تو اِس میں خاک بھی "حسنِ اتفاق" نظر نہیں آتا۔ اور یوں دیکھا جائے تو اِس میں قباحت ہی کیا ہے۔ ذرا خیال تو کرو۔ قدرت نے دو کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، نتھنوں اور ہونٹوں کے مجموعہ سے انسانوں کے کتنے نمونے ایجاد کئے ہیں کہ ایک کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی بجائے اِس کے کہ قدرت کی طباعی اور فنکاری کی داد دی جائے۔ لوگ مجھ پر ہنستے ہیں۔ کتنی بے وقوفی ہے۔ آج انسانوں میں کوئی بڑے سے بڑا آرٹسٹ قدرت کے اِس شاندار تنوع کی ایک مثال پیدا کر دے۔ تو میں جانوں۔

شیام سندر ۔ بے شک، بے شک، مگر وہ ڈاکٹر کی بیوی ہے۔

بھیّالال ۔ ارے بھائی۔ اب اس کی بیوی کی کونسی بات رہ گئی

میں اسے تین مہینے سے پڑھا رہا ہوں۔ اور اِس عرصہ میں وہ کوئی

پندرہ بار بیمار پڑ چکی ہوگی اور کوئی دس بار ہی اُس کے ڈاکٹر خاوند کو

موٹی فیس کا حقدار ہونا پڑا ہے۔ کبھی دیکھو تو سر میں درد ہے۔ کبھی

پیٹ میں، کبھی بخار۔ کبھی نزلہ اور مجھے دیکھو تو اِن تین مہینوں میں ایک

چھینک بھی نہیں آئی۔ آج جب میں پڑھانے گیا تو کل کی طرح پھر کہنے لگی

مجھے زکام کی شکایت ہے،، میں نے کہا آپ کی بھی عجیب صحت ہے۔ آپ

ڈاکٹر لوگ جب پرہیز نہیں کریں گے۔ تو اور کون کرے گا۔ مجھے

دیکھئے۔ اپنی صحت کا خیال رکھتا ہوں۔ کبھی کوئی تکلیف نہیں

ہونے پائی۔

شیام سندر ۔ خوب بدلہ لیا۔

(اظہر کمرے میں داخل ہوتا ہے۔ درمیانہ قد۔ دہرے بدن کا جوان ہے۔

نیلا سوٹ پہن رکھا ہے۔ ہاتھ میں ایک تار ہے)

اظہر ۔ ہیلو شیام! ہیلو تپ دق!

شیام سندر ۔ ہیلو اظہر! یہ تار کیسا ہے؟

اظہر ۔ امجد نے بھیجا ہے لکھا ہے کہ بی ٹی کی ڈگری مل گئی ہے

اور اب وہ الہ آباد جا رہا ہے۔ جہاں میونسپل سکول میں اُسے پینتیس روپے کی آسامی مل گئی ہے۔

شیام سندر۔ مگر ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی اور صرف پینتیس۔

اظہر۔ میں اُسے مبارک باد کا خط لکھ رہا ہوں۔ اِس دورِ بے کاری میں تم اور کر ہی کیا سکتے ہو۔

بھیا لال۔ کل مجھے کیلاش ناتھ ملا تھا۔ وہ جو بی۔ اے میں ہمارے ساتھ پڑھا کرتا تھا اور فیل ہو گیا تھا۔ اب اپنے باپ کے کارخانے میں منیجر ہو گیا ہے۔ اپنی کار میں بیٹھا ہوا تھا۔ میری طرف ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگا۔ ”آج کل کیا کرتے ہو؟“ — اور یہ وہی شخص ہے، جو انگریزی کا جواب مضمون مجھ سے خوشامدیں کر کے ٹھیک کرتا تھا۔

شیام سندر۔ (اُداس لہجے میں) جانے دو ان باتوں کو۔ مجھے مسعود کا فکر ہو رہا ہے۔ تم جانتے ہو۔ بیچارہ دو مہینے سے میرے پاس رہتا ہے۔ مگر ابھی تک نوکری کہیں نہیں ملی۔ کل سے واپس نہیں آیا۔

اظہر۔ واپس گاؤں کو چلا گیا ہو گا۔

شیام سندر۔ (رُکتے ہوئے) شاید! مگر اُس کا ٹرنک اور بستر یہیں ہے،

بھیا لال۔ کوئی ضروری کام ہو گا (زیادہ حوصلہ افزا لہجہ میں) شاید کوئی نوکری مل گئی ہو گی۔ اور آج تمہیں پتہ دینے کے لئے آ جائے۔

شیام سندر۔ رُکتے ہوئے۔ شاید۔

اظہر۔ (سر ہلاتے ہوتے) کتنی بیکاری ہے اور کتنی جہالت ہے؟ کل میں موتی لال میں پروفیسر روچانند کا لیکچر سننے گیا۔ فاضل مقرر جو ایک روئی کے کارخانہ میں تین سو حصّوں کا مالک نہایت پُر جوش لہجہ میں گریجوئیٹوں کی کم عقلی کا ماتم کر رہا ہوں کہ موجودہ بیکاری اقتصادی نہیں بلکہ تعلیم یافتہ طبقہ کی آرام پسندی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس نے چند نہایت دردمندانہ تجاویز سامعین کے سامنے پیش کیں۔ مثلاً یہ کہ گریجوئیٹ چھوٹے موٹے کاروبار کو اپنے ہاتھوں میں لیں۔ بوٹ پالش کرنا۔ ایک تھوک فروش سے جوتے اُدھار لے کر گلیوں میں چکر لگا کر انہیں بیچنا۔ گھی کی دکان کھولنا۔ مونگ پھلی کی تجارت۔

شیام سندر۔ (تلخ لہجہ میں) چنا جور گرم۔

بھیّا لال۔ بیکاری دُور کرنے کے لئے کئی ایسے گُر مجھے یاد ہیں۔

اظہر۔ مثلاً۔

بھیّا لال۔ (واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے) مثلاً تم اور شیام سندر انگریزی میں اچھا لکھ سکتے ہو۔ اخبار نکال لو۔

اظہر، شیام سندر۔ مگر روپیہ۔

بھیّا لال۔ اچھا کچھ اور سہی۔ ایک عمدہ ہوٹل کھول لو۔ نفیس کمرے عمدہ

کھانے۔ بھوڑا کرایہ۔ واجبی نرخ۔

شیام۔ اظہر۔ مگر روپیہ ۔؟

بھیّالال۔ (ہنس کر اور واسکٹ کی جیب میں سے ہاتھ نکالتے ہوئے) اچھا یہ بھی نہ سہی۔ لو اب میں تمہیں وہ گر بتاتا ہوں جو کبھی خطا نہیں ہو ہو سکتا۔

شیام سندر۔ وہ کیا ہے؟

بھیّالال۔ عورت۔

شیام سندر۔ عورت۔

بھیّالال۔ ہاں ہاں عورت۔ ایک عورت کا انتخاب کر لو جو نہایت جاہل ہو۔ ایک نہایت مالدار آدمی کی اکلوتی بیٹی ہو۔

شیام سندر۔ پھر۔؟

بھیّالال۔ پھر اِس سے شادی کر لو۔

اظہر۔ بھئی کیا خوب۔ تم تو تواریخ جاننے کے علاوہ عقلمند بھی ہو۔

شیام سندر۔ (دونوں آنکھیں میچ کر) ہوں ــــ ہوں۔

اظہر۔ بھیّالال۔ ہوں۔ ہوں کا کیا مطلب؟

شیام سندر۔ (آنکھیں بند کئے ہوئے) ایک ایسی عورت بالکل میری نگاہ میں ہے۔

بھیّا لال ۔ (گہری دلچسپی سے) کیا وہ ایک مالدار کی لڑکی ہے؟

شیام سندر ۔ (سر ہلاتا ہے) ہاں تو ــــــ "

بھیّا لال ۔ اور ــ اور ــ اکلوتی لڑکی

شیام سندر ۔ ہاں اکلوتی بیٹی ۔ بالکل اکلوتی ۔

بھیّا لال ۔ ارے یار بتاؤ ۔ اس کی شکل کیسی ہے ؟ خوبصورت ہوگی ۔

شیام سندر ۔ وہ نہایت خوبصورت ہے ۔ حسین جیسے چاند کی کرن نازک جیسے کنول کی پتّی ، حیا پرور جیسے لاجونتی کی ڈال ۔ بس کامنی سی مورت ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے ۔ اور اُس کا مالدار باپ اپنی ساری دولت مجھے جہیز میں دے دینا چاہتا ہے ۔

بھیّا لال (بہت دلچسپی اور رشک و حسد کے ساتھ) ارے بتاؤ وہ کون ہے ؟ کہاں رہتی ہے ؟ اس کا نام کیا ہے ؟

شیام سندر (یکایک آنکھیں کھول کر) اوہ وہ کدھر چلی گئی ، وہ کون تھی ؟ اس کا نام کیا تھا ۔ ؟

(شیام سندر ۔ اظہر ۔ بھیّا لال ۔ تینوں یکایک قہقہہ لگا کر ہنستے ہیں ۔ اور ایک دو منٹ تک ہنستے رہتے ہیں)

(ایک باوردی پولیس کا سپاہی آتا ہے)

سپاہی ۔ آپ میں شیام سندر کون ہے ؟

(شیام سندر اٹھ کر کھڑا ہو جاتا ہے)

سپاہی (ایک لفافہ آگے بڑھاتے ہوئے) سول ہسپتال میں چل کر ایک لاش کو شناخت کر لیجئے۔ وہ ریل کے نیچے آکر مر گیا ہے۔ اس کی جیب سے آپ کا پتہ نکلا ہے۔

شیام سندر۔ مسعود — آہ (اپنے ہاتھوں سے منہ کو چھپا کر کہتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

نیل کنٹھ

پہلی بار — دہلی ۲۴ فروری سنہ ۱۹۴۱ء

ڈرامے کے کردار اور اداکار

کورس	فیروز نظامی
شوجی	آر۔ این۔ مہرہ
پاربتی	مسز کنتی گگریجہ
جگیاسو	شوسرن سنگھ ٹھاکر
ایک آوارہ	اے۔ آر۔ ریحان
پجاری	رندھیر سنگھ

گداگر۔ جیب کترے اور ساہوکار وغیرہ

پس منظر	فیروز نظامی

منظر اوّل

پردہ اُٹھتا ہے۔ تو کیلاش پربت کی چوٹی دکھائی دیتی ہے، ایک اونچے تخت پر شوجی مہاراج اور پاربتی بیٹھے ہیں۔ پاؤں میں نندی بیل اونگھ رہا ہے۔ سٹیج پر صبح کاذب کی سی روشنی چھائی ہوئی ہے۔ برف کے لطیف گالے آہستہ آہستہ سٹیج پر گر رہے ہیں۔ پس منظر موسیقی آہستہ آہستہ بلند ہوتی ہے اور کورس جو پانچ دیو داسیوں پر مشتمل ہے۔ شوجی مہاراج اور کیلاش پربت کی تعریف میں ایک گیت گاتا ہے۔ یہ دیو داسیاں سٹیج کے دائیں اور بائیں دونوں طرفوں سے داخل ہو کر ناچتی آتی ہیں۔ اور سٹیج کے مرکز میں آکر شوجی مہاراج کو پرنام کر کے اُن کے تخت کے گرد ایک ہالہ سا بنا کر پھر واپس مرکز کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ اور پھر چند منٹ تک ناچتی اور گاتی رہتی ہیں۔ اگر کورس کے لئے پانچ دیوداسیاں نہ مل سکیں تو ایک بھاری آواز والا مرد کورس کا کام سر انجام دے سکتا ہے۔

کورس

کیلاش کے اونچے پربت پر
شو سنبھو جی کی بستی پر
اک کیف ہے اک سرمستی ہے
اور نیلے نیلے امبر پر
مست اور رسیلے بادل ہیں
اودی اور لال گھٹائیں ہیں
کالے اور نیلے بادل ہیں
کیلاش کے اونچے پربت پر

(ناچ)

کیلاش کے اونچے پربت پر
تاریک اور سرد گپھاؤں میں
امرت کی دھارا بہتی ہے،
اور برف میں ڈوبی چوٹیوں پہ
خاموشی چھائی رہتی ہے!

کیلاش کے اُونچے پربت پر

(ناچ)

کیلاش کے اُونچے پربت پر
شوجی مہاراج کا ڈیرا ہے
پران کے تیج اور سادھنس نے
تینوں لوگوں کو گھیرا ہے
لپٹے ہیں ناگ بھجاؤں سے
بہتی ہے گنگ جٹاؤں سے
مست اور رسیلی آنکھیں ہیں
سُرخ اور نشیلی آنکھیں ہیں
یہ پاربتی کے سوامی ہیں
نر انتر انتریامی ہیں
کیلاش کے اُونچے پربت پر

(تیز ناچ)

کیلاش کے اُونچے پربت پر
ہر جانب ہے طوفان بپا
ہے تیز ہوا سے شور مچا

ہر ذرہ خوف سے لرزاں ہے
پر شوجی کا لب خنداں ہے
کیلاش کے اونچے پربت پر

دیو داسیاں گاتی ہوئی اور ناچتی ہوئی شوجی کو پرنام کر کے رخصت ہو جاتی ہیں۔ شوجی مہاراج کے چہرے پر مسکراہٹ آہستہ آہستہ ہنسی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ نندی بیل کان کھڑے کرتا ہے، اور نتھنوں سے ہوا کو سونگھتا ہے۔

پاربتی۔ مہاراج یہ کیسی ہنسی ؟

شوجی۔ کچھ نہیں پریہ۔

پاربتی۔ کچھ تو ہے مہاراج۔ یہ آپ کی ہنسی کہے دیتی ہے کہ کہیں کوئی عجیب بات ضرور ہو رہی ہے۔

شوجی۔ عجیب بات؟ اس مشک کی آنکھ سے اوجھل کیا عجیب بات ہوگی؟

پاربتی۔ پھر کیا بات بھید ہے مہاراج؟ بتائیے تو سہی۔

شوجی۔ تم تو یونہی کوئی بات لے کر پیچھے پڑ جاتی ہو۔

پاربتی۔ میں تو پوچھ کر رہوں گی۔

شوجی۔ تو سنو۔

(وقفہ)

پاربتی ۔ کہئیے آپ تو خاموش ہو گئے۔

شوجی۔ میں خاموش سہی ۔ لیکن سنسار تو بدل رہا ہے ۔ تمہارے کان سُن رہے ہیں۔

(طوفان کی گرج)

پاربتی ۔ کچھ بھی تو نہیں۔ وہی ہوا کی تیزی ہے برف کا طوفان کیلاش پربت کا پرانا رنگ جو ہمیشہ سے چلا آیا ہے۔

شوجی ۔ (طنزیہ انداز میں) جہاں مہادیو ہیں ۔ وہاں موت اور طوفان کا راگ سنائی دیتا ہے، یہ تو کوئی عجیب بات نہ ہوئی پاربتی ۔

(طنزیہ ہنسی)

پاربتی ۔ (روٹھنے کے انداز میں) آپ مجھے یونہی تنگ کرتے ہیں بتاتے کیوں نہیں آپ ؟

شوجی ۔ تو سُنو پریہ!

پاربتی ۔ سنائیے ۔

شوجی ۔ میری آواز کو نہ سُنو ۔ سنسار کی آواز پہچانو ۔ کیا اِس اندھے طوفان کے خراٹوں میں تمہیں کوئی اور آواز سنائی نہیں دیتی !

(طوفان کی گرج ۔ دُور سے ہر ہر مہادیو کی آواز آتی ہے)

پاربتی۔ طوفان کے بھیانک بھنوروں میں گویا ایک نقطہ ایسا ہے جس کے محور پر یہ سارا طوفان چکر لگا رہا ہے اور یہ نام آپ کا ہے۔ (پس منظر میں ہر ہر مہادیو کی آواز برابر سنائی دیتی ہے) نہیں نہیں یہ تو کوئی بھولا بھٹکا راہی ہے۔ (اس طوفان کے مہیب گرداب میں پھنس گیا ہے۔ اور آپ کو مدد کے لئے پکار رہا ہے) (مضطرب ہو کر) مہاراج آپ سُن رہے ہیں اِسے؟ — مہاراج آپ اس کی مدد کیجئے۔ مہاراج اِسے بچائیے۔ یہ آپکا بھگت ہے۔

شوجی۔ تم بھولتی ہو۔ اِسے میری مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ بھٹکا ہوا راہی نہیں ہے۔ یہ ایک بوڑھا تپسوی ہے۔ جو بہت مدت سے تپسیا کر رہا ہے۔ اسے اپنی تپسیا پر بڑا ابھیمان ہے۔

پاربتی۔ لیکن مہاراج یہ تو آپ کو پکار رہا ہے۔

شوجی۔ پر یہ ہماری اُستتی نہیں کر رہا۔ بلکہ ہمارا نام لے کر اِس کے سہارے اپنے آپ کو اُونچا کرنا چاہتا ہے۔ اِس کا دِل ابھی خواہشوں سے خالی نہیں ہوا۔

پاربتی۔ یہ کیا چاہتا ہے۔ مہاراج؟

(ہر ہر مہادیو کی آواز قریب آتی جاتی ہے)

یہ آواز تو اب نزدیک آ رہی ہے۔

شوجی۔ یہ اِسی تپسوی کی آواز ہے۔ اِس نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ وُہ شِو
رُوپ ضرور دیکھے گا۔
پاربتی۔ شورُوپ؟ — لیکن مہاراج شِورُوپ تو آج تک کوئی
نہیں دیکھ سکا۔
شوجی۔ ہاں۔ لیکن وُہ اِسے دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ وراٹ درشن کرنا
چاہتا ہے۔ زندگی کی حرکت میں جو شکتی چھپی ہوئی ہے۔ اِسے اِنسانی آنکھوں
سے دیکھنا چاہتا ہے۔ وُہ اِس نظر نہ آنے والے منبع کو دیکھنے کا مُتلاشی
ہے۔ جہاں سے جیون کی دھارا پھوٹتی ہے۔ اور آکاش اور پرتھوی دونوں
کو اپنی بہتی ہوئی جوالا سے منور کر دیتی ہے۔ وُہ اِس پوتر وِستر
کو تار تار کر دینا چاہتا ہے۔ جو جیون کے آخری بھید کو اپنے اندر
چھپائے ہوئے ہے۔
پاربتی۔ وُہ ایسا کیوں کرنا چاہتا ہے؟
شوجی۔ صرف اِس لئے کہ وُہ کل سنسار کا بھید پاکر اِس برہمانڈ پر
راج کرے — پاربتی۔ راج کا بوجھ۔
شوجی۔ اِس نے اُس کے لئے کڑی تپسیا کی ہے۔ یہ اُسی تپ کا نتیجہ ہے
جو اُسے کیلاش پربت کے شِکھر تک کھینچ کر لا رہا ہے۔ وہ کیلاش پربت
جہاں آج تک کسی منش کے قدم نہیں پہنچے۔ جہاں ادشا کی طرح برف

پوتر برف ہے۔ اور جہاں ہمیشہ موت کا راگ سنائی دیتا ہے۔
پاربتی۔ بھگوان آپ کیا کریں گے۔ کیا برہمانڈ کا راج ایک آدمی کی مٹھی
میں دے دیں گے۔
شوجی۔ اسے ہمارے قدموں میں آنے دو۔
جگیاسو۔ ہر ہر مہادیو۔ جے مہادیو۔
(تپسوی آکر شوجی کے قدموں میں جھک جاتا ہے)
شوجی۔ جگیاسو!
جگیاسو۔ مہادیو کی جے ہو۔
شوجی۔ جگیاسو۔ ہم نے تمہاری کٹھور تپسیا دیکھی ہے ہماچل کی ترائیوں
میں۔ پہاڑوں کی گپھاؤں میں تم نے تاریکی۔ بھوک۔ پیاس موہ بھے
سے جنگ کی ہے۔ اور ان پر فتح پائی ہے۔ دھن ہو تم جگیاسو۔
تمہاری ہمت بڑی تھی۔ تمہارا ارادہ پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط تھا۔
بولو کیا چاہتے ہو۔؟
جگیاسو۔ مہاراج میں آپ کے درشن کرنا چاہتا ہوں۔
شوجی۔ (ہنس کر) درشن تو تم نے کر لئے۔ تمہارا تپ تمہیں کیلاش کے
آخری شکھر تک کھینچ لایا۔ اب تم اور کیا چاہتے ہو؟
پاربتی۔ نہیں مہاراج۔ اس شو روپ میں تو میں نے آپ کو کئی بار

اپنی سمادھی میں دیکھا ہے سب۔
دیوتاؤں کو دیکھا ہے۔ امروں اور راکششوں کی جنگ دیکھی ہے۔
امرت کی کھوج میں دیوتاؤں کو سمندر بلوتے ہوئے دیکھا ہے اور آپ کو وہ زہر کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔ جو امرت منتھن کے وقت سمندر کی جھاگ سے نکلا تھا۔ وہ زہر جسے کھانے سے ہر ایک نے انکار کر دیا تھا۔ وہ زہر جو اگر سنسار میں پھیل جائے تو جیون کی اٹوٹ دھارا ہمیشہ کے لئے سوکھ جاتی ہے۔ مہاراج میں نے دیکھا کہ آپ نے وہ زہر اپنے گلے میں اتار لیا اور آپ کا کنٹھ نیلا ہو گیا۔ اور آپ کی جٹاؤں سے زندگی کی دھارا گنگا کی طرح پھوٹ نکلی۔ مہاراج! آپ تو دھرتی پر جیون کو بچانے والے ہیں میں نے آپ کو دیکھا بھی ہے۔ لیکن مہاراج یہ تو دیوتاؤں کا روپ ہے۔ میں اس سے بھی پرے جانا چاہتا ہوں اور ساکھشات شو روپ ــــ

شوجی۔ میں تمہیں وچن دیتا ہوں۔ کہ شو روپ کے سوائے اور جو کچھ تمہیں چاہیئے۔ مانگ لو۔ میں پورا کروں گا۔

جگیاسو۔ لیکن مہاراج مجھے تو شو روپ دیکھنے کی چاہ ہے۔

شوجی۔ سنو جگیاسو۔ شو روپ کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا اِسے پانے کی خواہش دل سے نکال دو۔

جگیاسو۔ یہ داس اب آپ کے چرنوں تک آن پہنچا ہے۔ درشن کر کے ہی واپس جائے گا۔

شوجی۔ تم بہت ضدی ہو جگیاسو۔ (وقفہ) اچھا تو دیکھ لو۔

(گرج۔ طوفان۔ موسیقی کا شور۔ سٹیج پر روشنی ایک شعلے کی طرح بھڑکی پھر دوسرے لمحے میں اندھیرا چھا جاتا ہے۔ پھر تیز روشنی ہوتی ہے۔ پھر اندھیرا۔ شوجی مہاراج اپنے آسن پر نظر نہیں آتے۔ پس منظر موسیقی تیز ہو جاتی ہے)

جگیاسو۔ مہاراج۔ مہاراج! آپ الوپ ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی موت کے راگ میں گم ہوتے جا رہے ہیں۔

شوجی۔ دیکھو۔ جگیاسو دیکھو۔

جگیاسو۔ گنگا کی پھوٹتی ہوئی دھارا پھیلتی جا رہی ہے۔ ڈمرو کا شور بڑھتا جا رہا ہے۔

مستک کی آنکھ کے لال ڈوروں سے جوالا نکل رہی ہے۔

شوجی۔ دیکھو جگیاسو دیکھو۔

جگیاسو۔ گنگا کی دھارا نے سارے سنسار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ یہ مستک کی جوالا برہمانڈ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھڑک رہی ہے۔ نور چاروں طرف نور ہی نور۔

شوجی۔ دیکھو جگیاسو دیکھو۔

جگیاسو۔ خوف لہجے میں، سارے برہمانڈ میں اب اِس نور کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ نور بھڑکتا جا رہا ہے۔ گنگا کی دھارا میں اس میں بجلی کی سی روشنی تیزی اور لپک ہے جیسے ایک تیز چمکتا ہوا خنجر ـــ

(اپنی آنکھیں اپنے ہاتھوں میں چھپا لیتا ہے) آہ ۔

شوجی۔ دیکھو جگیاسو دیکھو۔

(ایک دم تیز روشنی اور پھر سٹیج پر اندھیرا چھا جاتا ہے)

جگیاسو (آنکھیں کھول کر کراہتے ہوئے) آہ ـــ میں اب کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ مہاراج یہ بجلی کی لپک میرے پردے میں گڑ گئی ہے۔ یہ چمکتا ہوا خنجر میری نظر میں کھب گیا ہے۔ مہاراج اب میں آپ کو نہیں دیکھ سکتا۔

شوجی۔ دیکھو۔ جگیاسو۔ دیکھو۔

جگیاسو۔ تاریکی ہی تاریکی۔ ہولناک بھیانک تاریکی۔ اس مہیب تاریکی کا سایہ میری آتما پر چھا گیا ہے۔ میرے کانوں میں موت کا راگ گونج رہا ہے۔ مہاراج آپ کہاں چلے گئے ہیں۔ مہاراج میں اب آپ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اب تو میں کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ (دردناک لہجے میں) میں اندھا ہو گیا مہاراج ۔

(موت کا راگ ۔ طوفان، ڈمرو کی کھنک)

جگیا شوجی۔ گو نجدار آواز دور سے آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ جگیا سو تو نے ان ہونی اور ناممکن بات کو چاہا تھا لیکن تجھ سے اِس نور کی جھلک سہاری نہ گئی۔ تو نے جیون کے اِس دست کو تار تار کر دینا چاہا تھا۔ جس میں وہ آج تک چھپا رہا ہے ۔ لیکن یاد رکھو برہمانڈ تم اِس برہمانڈ کے شوروپ کو کبھی نہیں دیکھ سکتے۔ تم بیشک اس کے پردے ہٹاتے جاؤ۔ ایک پردہ کے بعد دوسرا پردہ ۔ روشنی بڑھتی جائے گی۔ لیکن آخری پردے کے ہٹنے سے پہلے ہی یہ جوالا تمہیں تاریکی کا وہ منظر دکھائے گی۔ جس کے پار کسی منش کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ جگیا سو ۔ جاؤ ایک بار پھر تپسیا کرو ۔ تمہاری تپسیا ... ادھوری تھی۔

(طوفان کا شور اور موسیقی جیسے کوئی ہزار وں فٹ دور نیچے پھینکا جا رہا ہو۔ پھر موسیقی آہستہ آہستہ فضا میں گھل جاتی ہے۔ اور سٹیج پر روشنی ہو جاتی ہے۔ جگیا سو غائب ہو جاتا ہے ۔ اور شوجی مہاراج تخت پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں)

پاربتی ۔ (مخوف لہجے میں) مہاراج یہ آپ نے کیا کیا؟

شوجی۔ آپ مجھ سے پوچھتی ہو؟ تم نے خود اپنی آنکھوں سے اِس درشیہ کو دیکھا ہے۔

(وقفہ)

پاربتی۔ مہاراج۔ کیا جیون کی کھوج بُری ہے۔
شوجی۔ وُہ جیون کی کھوج جو گپھاؤں میں بیٹھ رہ کر ڈھونڈی جائے
پاپ ہے۔
پاربتی۔ تو پھر جیون کیا ہے۔؟
شوجی۔ جیون کیا ہے؟ پاربتی تم تو ہر وقت اُلٹے سیدھے سوال کرتی
رہتی ہو۔
پاربتی۔ مہاراج کیا آپ اِس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔
اتنا آسان سوال! ——
شوجی۔ پاربتی۔ اِس مذاق کی بدولت تم کئی بار زک اُٹھا چکی ہو۔
پاربتی۔ میں پوچھتی ہوں، جیون کیا ہے؟ جیون کیا ہے؟ جیون کیا ہے
جب تک کہ آپ بتائیں گے نہیں میں پوچھتی چلی جاؤں گی۔
شوجی۔ (رک کر) ستو پریہ! آج ہم تمہیں منشوں کی ایک بستی میں لے
چلتے ہیں۔ آج سنوراتری ہے۔ مندر کے باہر سڑک کے کنارے ہمیں بھیک
مانگنے والوں کا لباس بدل کر اس سوال کا جواب تلاش کرنا ہوگا۔
پاربتی۔ ہمیں منظور ہے۔

(پردہ)

منظر دوم

قریب منظر میں شو مندر کی سڑک کا ایک حصہ مرکز میں مندر کی سیڑھیوں اور اس سے پرے مندر کا ایک حصّہ نظر آتا ہے۔ سڑک پر گداگر بیٹھے ہیں اور مندر کی سیڑھیوں پر براہمن۔ آج شوراتری ہے۔ اس لیے سڑک پر اور مندر کی سیڑھیوں پر جاتریوں کی بھیڑ ہے۔ لوگ آ جا رہے ہیں۔ سٹیج کے بالکل دائیں طرف قریب منظر میں شوجی اور پاربتی گداگروں کے بھیس بنائے کھڑے ہیں۔ سٹیج کے بالکل دائیں طرف قریب منظر میں شوجی اور پاربتی گداگروں کے بھیس بنائے کھڑے ہیں۔ سب سے الگ اکیلے۔

ایک جیب کترا۔ جے مہادیو کی۔

دوسرا جیب کترا۔ جے مہادیو کی۔ کہئے آج کیا حال ہے۔

پہلا جیب کترا۔ بھئی آج تو بڑے مزے میں رہے۔ چار سیٹھوں کی جیب کاٹی۔ ایک عورت کے گہنے ایک کے پیچھے (کھنکھاتا ہے) بولو شو شنبھو ہر کا سودا ہر کا تنبو۔ ہمارے لئے شوراتری اب کے بڑی اچھی رہی۔

دوسرا جیب کترا۔ ارے بھئی ہم تو صبح سے گھات لگائے کھڑے ہیں۔ کوئی چڑیا تک پاس نہیں پھٹکی۔ کہیں داؤ نہیں چلا ۔۔۔ اور یہ بڑھیا اور بوڑھا نہیں دیکھا کیسے مسکین بنے کھڑے ہیں۔ ذرا خیال رہے۔

(آہستہ سے) اپنے ہی بھائی بند ہوں گے۔

(قہقہہ دونوں ہنستے ہوئے چلے جاتے ہیں)

شوجی (رک کر) دیکھا تو نے پاربتی۔ جیون کا ایک دست یہ بھی ہے، (فوراً لہجہ بدل کر) جے مہا دیو کی۔ غریبوں پر دیا کیجئے ہم بوڑھے ہیں۔ صبح سے بھوکے ہیں۔

دوسرا گداگر۔ ہماری جیون بھی خراب کرتا ہے۔ ہمارے راستے میں آکر کھڑا ہو گیا ہے۔ کونسے ٹولے کے ہو تم۔ اس سے پہلے کہاں گداگری کرتے رہے ہو تم؟

پہلا گداگر۔ (شوجی کو گھورتے ہوئے) صبح سے بھوکے ہیں! کیسا گھن چکر ہے۔ یہ بوڑھا۔ ٹھیک طرح سے مانگنا بھی نہیں آتا۔

شوجی۔ ہمارا کوئی ٹولہ نہیں ہے۔

پہلا گداگر۔ کیا کہا! کوئی ٹولہ نہیں۔ اور گھر سے بھیک مانگنے کے لئے نکلا ہے ہا ہا ہا (اور دوسرے گداگر سے مخاطب ہو کر) ارے گھر کی میاں نہیں دیکھو تو نہ اندھے۔ نہ لنجے۔ نہ لنگڑے۔ نہ اپاہج۔ ٹھیک طرح

سے بُلبول بھی تو نہیں سکتے اور بنتے ہیں بھگ منگے ۔ (شوجی سے) میری طرف دیکھو۔ کیا تم ایسی آواز لگا سکتے ہو۔ (لہجہ بدل کر) " ہائے مجھ گریب پر کر جاؤ رحم بابا"، یہ ہے وُہ آواز جو ایک مکھی چوس سیٹھ کی ہتھیلی بھی نرم کر دیتی ہے ۔ " ہائے مجھ گریب پر ترس کر جاؤ رے بابا۔ — بھول تم کیا جانو۔ بھیک مانگنا کسے کہتے ہیں ؟

(وقفہ ۔ گداگر پرے چلے جاتے ہیں)

شوجی ۔ پاربتی دیکھا تم نے ۔ جیون کا ایک یہ بھی دستہ ہے (وقفہ)

پہلا ساہوکار ۔ شُوشُنبھو ۔ سیٹھ صاحب شوشنبھو "

دوسرا ساہوکار ۔ جے مہادیو کی ۔

پہلا ساہوکار ۔ کہیئے اتنے دن کہاں رہے ؟

دوسرا ساہوکار ۔ ایک قرقی کرانے کے لئے گاؤں چلا گیا تھا ۔ آج گھر پر شِو پوجن تھا ۔ اس لئے لوٹنا پڑا ۔

(دونوں ساہوکار باتیں کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں ۔)

(وقفہ)

پہلا برہمن ۔ جے مہادیو کی ۔

دوسرا برہمن ۔ آج تو پنڈت جی نیوتوں کی وہ بھرمار تھی ۔ کہ کھاتے کھاتے پیٹ پھٹنے لگا ۔

شوجی - جے مہادیو کی۔ غریبوں پر دیا کیجئے۔ ہم بوڑھے ہیں صبح سے بھوکے ہیں۔

تیسرا برہمن - اس بوڑھے بڑھیا کو دیکھا تم نے یہ کسان لوگ جب بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ تو شہروں میں بھیک مانگنے کے لئے آجاتے ہیں۔

پہلا برہمن (سنسکرت سے منتر) شو شنبھو۔ شو شنبھو۔ شو شنبھو (چلے جاتے ہیں) سٹیج کی بتیاں آہستہ آہستہ گل ہو جاتی ہیں۔

(پردہ)

منظر سوم

تھوڑے عرصے کے بعد پردہ اُٹھتا ہے۔ سٹیج پر نیم تاریکی ہے۔ سڑک سنسان ہے۔ مندر کی سیڑھیاں جاتریوں سے خالی۔ صرف مندر میں روشنی نظر آتی ہے۔ سٹیج کے بائیں طرف ایک آوارہ پھٹے کپڑے پہنے آگ جلائے بیٹھا ہے۔

پاربتی۔ (مضمحل لہجے میں) مہاراج اب تو کھڑے کھڑے ٹانگیں بھی شل ہونے لگیں —— اُف جیون کے کتنے ہی رنگ دیکھے ہیں۔ آج مہاراج اس سنسار میں جھوٹ اور دھوکے کا نام ہی جیون ہے،

شوجی۔ (حزیں انداز میں) منش منش کو کھائے جاتا ہے۔

(مندر کا پجاری دن بھر کی بھینٹ اپنے کندھوں پر لادے مندر کی سیڑھیوں پر سے اُترتا ہے۔)

پاربتی۔ (ہنس کر) مہاراج بھوک تو مجھے بہت لگ رہی ہے اور ان آدمیوں کی باتیں سن کر خود میرا جی بھی منش کھانے کو چاہتا ہے۔ (ہنس کر) پر مہاراج اب یہاں کھڑے رہ کر کیا کیجئے گا۔ اب تو یہ سڑک بھی سنسان ہو گئی ہے اور وہ مندر کے پجاری بھی چلے آ رہے ہیں۔

دیکھو کندھے پر چڑھاوے کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں۔

شوجی۔ (گداگروں کے لہجے میں) جے مہادیو کی مہاراج ہم پر دیا کیجئے ہم غریب پردیسی ہیں۔ بھوجن مانگتے ہیں۔ آپ کی کرپا سے رات کو یہیں مندر کے دوار پر سو رہیں گے۔

(تنک کر) پردیسی ہو بابا تو ہم کیا کریں۔ کسی دھرم شالہ کی راہ دیکھو یہاں راستہ روکے کیوں کھڑے ہو۔ دیکھو دیکھو ہمیں چھونا نہیں۔ شوشنبھو شوشنبھو۔ کسی دھرم شالہ میں جا کر پڑ رہو وہاں بھوجن بھی مل جائے گا اور دیکھ یہ مندر شوجی مہاراج کی پوجا کے لئے ہے نہ کہ بھک منگوں کے سونے کے لئے اور دیکھو یہ مندر شوجی مہاراج کی پوجا کے لئے ہے۔ اگر تم نے یہاں پاؤں پسارنے کی کوشش کی تو جیلخانے میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ سنا تم نے، پولیس پکڑ کر لے جائے گی۔ شوشنبھو، شوشنبھو کیسے مورکھوں سے پالا پڑتا ہے۔

شوجی۔ (حزیں آواز میں) چلا گیا۔ ہمارا سب سے بڑا پجاری چلا گیا۔ پاربتی تم نے جیون دیکھا۔

پاربتی۔ (دکھ بھرے لہجے میں) مہاراج کتنی بدصورت ہے یہ زندگی۔ کتنا بھیانک ہے یہ چتر۔ کتنا دکھدائک ہے یہ جیون۔ مہاراج ان لوگوں کی آتمائیں اندھی ہو چکی ہیں ان کے دل پاپ سے تاریک ہو چکے ہیں،

اُن کے چہرے جھوٹ ۔ مکر اور فریب سے پلے ہوئے ہیں (آبدیدہ ہو کر) مہاراج کیا انہی لوگوں کے لئے آپ نے زہر کا پیالہ پیا تھا۔

(آوارہ جو ابھی ابھی آگ تاپ رہا تھا۔ یکایک ایک چیخ مار کر اُچھل پڑتا ہے)

آوارہ ۔ آ ہا ہا ہا ۔ کِل کِل کِل ۔ کلکلی کلکلی ۔ کِل ۔ کِل ۔ کِل ۔

پاربتی ۔ یہ کون ہے مہاراج ۔

شو جی ۔ ایک آوارہ ۔ آؤ ذرا اِس کے پاس بیٹھیں ۔

پاربتی ۔ نہیں مہاراج بہت دیکھ لیا اِس سنسار کو اب واپس چلیئے ۔

آوارہ ۔ آؤ آؤ آؤ آ ہا ہا ہا ہا ۔ کل کل کل ۔ کلکلی ملکلی ۔ کل کل آؤ آؤ اِدھر اُدھر آؤ ۔ آگ تاپو گے ۔ یہ دیکھو گے ہم نے لکڑیاں اکٹھی کی ہیں، اب اس ڈھیر کو آگ لگائیں گے آگ میں شعلے نکلیں گے پھر ہم بیٹھ کر تاپیں گے ۔ سب اِنسان بھائی بھائی ہیں ۔ آ ہا ہا کِل کِل کِل ۔

پاربتی ۔ کیا کہتے ہو تم ؟

آوارہ ۔ سب انسان بھائی بھائی ہیں سب انسان مرتے ہیں ۔ اس لئے سب انسان پرماتما کے بنائے ہوئے ہیں اِس لئے سب انسان بھائی بھائی ہیں ۔ سب آدمیوں کو جاڑا لگتا ہے ۔ اس لئے سب اِنسان

بھائی بھائی ہیں ۔ آؤ بیٹھو۔ آگ تاپو ۔ کل کل کل ۔

پاربتی ۔ (حیران ہو کر) مہاراج یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کرتا ہے ؟

آوارہ ۔ کیوں اُداس ہو بہن ۔ کیا تمہیں بھوک لگ رہی ہے ۔ اِدھر آؤ اِدھر بیٹھو ۔ یہ دیکھو لکڑیوں کا ڈھیر ۔ اب اس کو ہم آگ لگائیں گے آگ میں شعلے نکلیں گے پھر ہم تینوں مل کر ان شعلوں کو کھائیں گے بھوک مٹانے کے لئے آگ کے شعلے بہت اچھے ہوتے ہیں ۔ ہا ہا ہا ، کل کل کل ۔ کلکلی کلکلی ۔ کل کل کل ۔ اس سنسار میں بھوک بہت ہے سب انسان بھائی بھائی ہیں ۔ سب سنسار کو آگ لگا دو ۔ ان شعلوں سے سب انسانوں کی بھوک مٹ سکتی ہے ۔ سب انسانوں کی ہا ہا ہا ہا ۔ تم بھوکی ہو تم بھوکی ہو ۔ یہ لو یہ لو ۔

روٹی کا ایک ٹکڑہ پاربتی کیطرف بڑھاتا ہے ۔

پاربتی ۔ یہ کیا ہے ۔ اس میں سے تو بہت بدبو آرہی ہے ۔

آوارہ ۔ یہ لو ! ہا ہا ہا ہا ۔ کل کل کل کلکلی کلکلی کل کل یہ روٹی کا ٹکڑہ ہے ۔ اسے ایک کتے نے سونگھ کر چھوڑ دیا تھا مگر ہے یہ ایک روٹی کا ٹکڑہ ۔ میں نے اسے اپنے لئے رکھ چھوڑا تھا لیکن تمہاری بھوک میری بھوک سے زیادہ ہے ۔ سُندری سمجھ کو جانتی ہو ۔ کل کل کل کلکلی کل کلی کل ۔ کھالو ۔ فوراً کھالو ۔

شو جی۔ (گلو گیر آواز میں) یہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کیا دیکھ رہی ہو پاربتی پاربتی اسے سوئیکار کرو۔ یہ ایک بدبو دار روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے۔ یہی وہ امرت ہے پاربتی جس کی خاطر ہم نے اور سب دیوتاؤں نے سمندر کا کونہ کونہ کھنگال ڈالا تھا۔ یہی وہ جیون کا آخری بھید ہے۔

جیسے ایک آوارہ سادھو اپنے کلیجے سے چمٹائے ہوئے ہے۔

(پاربتی آہستہ آہستہ روٹی کے ٹکڑے کیطرف ہاتھ بڑھاتی ہے)

(پردہ)

سرائے کے باہر

ڈرامے کے افراد

اندھا بھکاری	
مُنی	اندھے بھکاری کی لڑکی
بھکارن	اندھے بھکاری کی بیوی
جانی لنگڑا	ایک چالاک پُرفن بھک منگا
ایک آوارہ شاعر	
سرائے کا مالک	
بی بی	سرائے کی نوکرانی

چند شکاری اور اُن کی بیویاں

منظر

(منظر: ایک پہاڑی قصبے کی سرائے کے دروازے پر دروازے سے چند گز کے فاصلے پر اندھا بھکاری اور اُس کی بیوی الاؤ پر بیٹھے آگ تاپ رہے ہیں۔ منی سرائے کے بڑے دروازے پر کھڑی بی بی سے باتیں کر رہی ہے)

مُنی۔ بی بی کچھ کھانے کو دو گی، صبح سے بھُوکی ہوں۔

بی بی۔ پرے ہٹ مردار، کیوں اندر گھسی چلی آتی ہے۔ جا کسی مسٹنڈے کی بغل میں بیٹھ اور چین سے رہ تیری جوانی کو آگ لگے۔

منی۔ بی بی کیوں ناحق گالی دیتی ہو۔

بی بی۔ گالی، اری دو ٹکے کی بھکارن تجھے بھی گالی لگتی ہے۔ اسے ہے میری شرم کی ماری لاجونتی۔ دن بھر دیہے مٹکاتی پھرتی ہے اور سرائے کے مسافروں کو تاکتی پھرتی ہے۔ اب رات کے وقت بڑی معصوم۔ بڑی شریف۔ بڑی وہ۔ اونہہ حرپیل!

منی۔ بی بی۔

بی بی۔ بی بی کی بچی، اری اگر میں تجھے گالی دیتی ہوں تو اس کے بدلے

تجھے کھانا بھی تو دیتی ہوں ۔ تجھے اور تیرے بوڑھے بھکاری باپ کو اور تیری ماں چڑیل کو دو گالیوں میں کیا یہ سودا مہنگا ہے مجھے دیکھ اِس سرائے میں صبح سے لے کر شام تک جھوٹے برتن مانجھتی ہوں ۔ کنوئیں سے پانی نکالتی ہوں ۔ مالک اور مالکن کی سو سو خوشامدیں کرتی ہوں اور ــــــ اچھا دیکھو ۔ اِس وقت مجھے نہ ستاؤ مسافر خانے کے اندر اِس وقت بہت سے لوگ جمع ہیں ۔ مجھے کِتنوں کی دیکھ بھال کرنی ہے ۔ جب یہ لوگ کھانا کھا چکیں گے اس کھڑکی کی طرف آئیو اور جو کچھ تیری قسمت میں ہو گا لے جائیو اری دیکھ اب موٹے موٹے دیدوں میں آنسو نہ چھلکا ۔ ہائے رام ان فقیروں نے تو ناک میں دم کر رکھا ہے میں مالکن سے کہتی ہوں کہ ان بھک منگوں کو کم از کم سرائے کے باہر عین دروازے پر تو جمع نہ ہونے دیا کرے ۔ (سرائے کے دروازے بند کر دیتی ہے)

بھکارن ۔ منی ۔

منی ۔ آئی اماں ۔

بھکارن ۔ کیا ہوا منی ۔ (وقفہ)

اندھا ۔ منی بیٹا بڑی بھوک لگی ہے ۔

منی ۔ تو مجھے کھا لو ابا ۔ بھوک لگی ہے ۔ جب سنو بھوک لگی ہے جانے

یہ پیٹ ہے کیا بلا ۔ کبھی بھرتا ہی نہیں ۔ اُدھر بی بی الگ گالیاں
دیتی ہے اور اِدھر یہ میری جان کو کھائے جاتے ہیں ۔ بھوک
لگی ہے تو میں روٹی کہاں سے لاؤں ۔ بی بی کہہ گئی ہے کہ جب کھڑکی
کھلے گی تب روٹی ملے گی ۔

اندھا بھکاری ۔ کھڑکی کب کھلے گی ۔ ؟

منی ۔ جب مسافر کھانا کھا چکیں گے ۔

اندھا بھکاری ۔ مسافر کب کھانا ختم کریں گے ؟

مُنی ۔ جب کھڑکی کھلے گی ۔

اندھا بھکاری ۔ جب کھڑکی کھلے گی ...... کب کھڑکی کھلے گی ؟
میں کچھ نہیں جانتا ۔ میں کچھ نہیں ۔ منی تو کیا کہہ رہی ہے ۔ جب
سے میری آنکھوں میں روشنی نہیں رہی ۔ مجھے وقت پر بھیک کی
روٹی بھی کوئی نہیں لا کر دیتا ۔ منی کی اماں کیا تمہارے پاس تھوڑی
سی روٹی ہے نہیں ۔ ہاں نہیں ہوگی ۔ میں اندھا ہوں ـــــ بوڑھا
ہوں ۔ اپنی گستاخ بیٹی کا محتاج ہوں ۔

بھکارن ۔ صبر کرو ۔ اب تھوڑی دیر میں بی بی کھڑکی کھولے گی ۔ پھر
تمہیں پیٹ بھر کر کھانا ملے گا ۔ آج سرائے میں بہت سے مسافر
ہیں ۔ میں تو ہر روز دعا مانگتی ہوں ۔ کہ سرائے مسافروں سے بھری

رہے تاکہ اُن کی پلیٹوں سے بہت سا جھوٹھا کھانا ہمارے لئے بچ جایا کرے۔

منّی ۔ لیکن اماں! بعض مسافر تو اتنے پیٹو ہوتے ہیں کہ پلیٹیں بالکل صاف کر دیتے ہیں ۔ اور کھانا تو ذرا بھی نہیں بچتا ۔ ایسے موقع پر اگر بی بی سچ مچ مہربان نہ ہو تو ۔۔

بھکارن ۔ بُری باتیں منہ سے نہ نکال وہ سب کا والی ہے ۔ توبہ توبہ آج کتنی سردی ہے ۔ یہ تیز برفیلی ہوا ہم کو چیرے جاتی ہے ۔ منّی آگ ذرا تیز کر دے ۔ (الاؤ کی لکڑیاں ادھر اُدھر کرتی ہے)

منّی ۔ یہ چیڑھ کی لکڑیاں دھواں زیادہ دیتی ہیں ۔ آگ کم ۔

بھکارن ۔ تو جنگل سے کاؤ کی لکڑیاں چن لایا کر ۔ میں نے تجھے کئی بار سمجھایا ہے ۔

منّی ۔ ماں کاؤ کا جنگل بہت گھنا ہے ۔ مجھے ڈر لگتا ہے ۔

بھکارن ۔ باؤلی ہوئی ہے ۔ ڈر کا ہے کا ہے ۔

اندھا بھکاری ۔ منّی ۔ دیکھ ابھی کھڑکی کھلی کہ نہیں ۔ یہ کون آ رہے ہیں ؟

منّی ۔ مسافر ہیں ۔ سرائے کے اندر جا رہے ہیں اچھا میں جا کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہوتی ہوں ۔ ابّا اُمید ہے کہ اب کے کچھ نہ کچھ

ضرور ہو گا۔

(چلی جاتی ہے)

بھکارن۔ تم نے سُنا مُنّی کو کاڈ کے جنگل میں لکڑیاں چننے سے ڈر لگتا ہے

اندھا بھکاری۔ ہاں مُنّی جوان ہو گئی ہے۔

بھکارن۔ تم اس کا بیاہ کیوں نہیں کر دیتے؟

اندھا بھکاری۔ اِس قصبے میں تو کوئی ایسا بھک منگا ہے نہیں سُنا ہے کہ شہروں کے بھک منگے بڑے امیر ہوتے ہیں۔ مجھے ایک دفعہ سرائے کا ایک مسافر بتا رہا تھا۔ کہ اُس نے ایک دفعہ اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک شہر میں مجھے شہر کا نام یاد نہیں رہا۔ بھلا سا نام تھا۔ ایک بھک منگا رہتا تھا۔ جب وہ مرا تو مُنّی کی اماں ساٹھ ستّر ہزار روپیہ چھوڑ کر مرا۔ ساٹھ ستّر ہزار روپیہ کتنا ہوتا ہے، تمہیں معلوم ہے۔

بھکارن۔ نہیں۔ پر میں سوچتی ہوں۔ میری منی کو بھی کوئی ایسا ہی بھک منگا مل جائے۔

اندھا بھکاری۔ تم نے تو میری بات نہیں مانی۔ وہ بنیا پانچ سو روپے دیتا تھا۔ اُسی کے پلّے باندھ دیتے۔ منی کی زندگی سدھر جاتی ادھر ہم بھی۔

بھکارن ۔ تم کیا کرتے اُن پانچ سو روپے سے ۔
اندھا بھکاری ۔ اُن پانچ سو روپے سے ۔ پھر میں ایک زمین کا قطعہ خرید لیتا ۔ گائیں رکھتا ۔ بھیڑ بکریاں پالتا ۔ میرا ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر ہوتا ۔ کچی مٹی کا بنا ہوا ۔ کھریا مٹی سے لپا ہوا ۔ منّی کی ماں کیا تجھے معلوم ہے کہ بھکاریوں کی ٹولی میں داخل ہونے سے پہلے میں ایک کسان تھا ۔
بھکارن ۔ مجھے معلوم ہے تم ایسی باتیں مجھے کئی بار سنا چکے ہو ۔
اندھا بھکاری ۔ تم ایک بوڑھے اندھے بھکاری کی باتوں پر کب اعتبار کرو گی ۔ لیکن منّی کی اماں ۔ میں نے بھی اچھے دن دیکھے ہیں ۔ جہاں میں رہتا تھا ۔ وہاں چاروں طرف کھیت تھے ۔ کھیتوں سے پرے ایک اُجلی اجلی ندی دھان کے کھیتوں میں میٹھے میٹھے گیت گاتی ہوئی بہتی تھی ۔ اس ندی کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے میں اپنی بھیڑ بکریاں کے ریوڑ کو رکھ میں لے جایا کرتا تھا ۔ جہاں لمبی لمبی دوب تھی اور بنفشے کے پھول ۔ کھٹے اناروں کے جنگل اور ———
بھکارن ۔ اور پھر تمہارا باپ مرگیا ۔ اور تمہارے باپ کو گاؤں کے بنیے کا بہت سا روپیہ قرض دینا تھا ۔ اور بنیئے نے تمہاری زمین قرق کرالی اور تم ہوتے ہوتے ایک بھک منگے بن گئے اور پھر تم

ہمارے ٹولے میں آملے۔ میں یہ سب باتیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ کہ تم ہمیشہ سے ایک بھک منگے تھے۔ ہمیشہ رہو گے اور ایک بھک منگے کی موت ہی مرو گے۔ صرف یہ بات سچ ہے۔ باقی سب جھوٹ ہے۔ نہ تمہارا باپ کسان تھا۔ نہ میری ماں امیر زادی تھی۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں۔ میری ماں کون تھی۔ ایک کھتری سی چڑیل کی یاد ہے جو میرے سارے پیسے جو میں بازار سے لوگوں کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اکٹھے کیا کرتی تھی۔ سب چھین لیا کرتی تھی اور اکثر راتوں کو بھی بھوکا رکھا کرتی تھی تاکہ میں موٹی نہ ہو جاؤں۔

(دو مسافر داخل ہوتے ہیں)

بھکارن ۔ کون ہے؟

اندھا بھکاری ۔ کون ہے؟

شاعر اور جانی لنگڑا ۔ مسافر ہیں بابا ذرا آگ تاپ لیں۔

اندھا بھکاری ۔ مسافر ہو تو سرائے میں جاؤ ہم فقیروں کے پاس کیا کام ہے

جانی لنگڑا ۔ سرائے کے اندر جانے کی توفیق ہوتی تو تم سے بات ہی کیوں کرتے۔

اندھا بھکاری ۔ تم کون ہو؟

جانی لنگڑا ۔ میرا نام جانی لنگڑا ہے۔ پہلے میں نور پور میں بھیک مانگتا تھا

پر وہاں پولیس والوں نے تنگ کر رکھا ہے۔ بیچارے بھکاریوں کی ہر روز پیشی ہر روز بلاوا۔ یہ میری ٹانگ لنگڑی تھی۔ کچھ اس پر پرانے دو چار گلے سڑے ناسور بھی ہیں۔ سرائے سے بیٹھے بٹھائے روٹی مل جاتی تھی لیکن برا ہو ان پولیس والوں کا۔

اندھا بھکاری ۔ اور تمہارے ساتھ یہ دوسرا ساتھی کون ہے۔

جانی لنگڑا ۔ یہ اسی سے پوچھ لو۔

شاعر ۔ میں ــــ میں ــــ میں شاعر ہوں۔

اندھا بھکاری ۔ شاعر کیا ہوتا ہے۔ بھئی بڑے بڑے بھک منگے دیکھے قسم قسم کے بھکاری۔ لیکن یہ قسم آج ہی سننے میں آئی ہے۔

جانی لنگڑا ۔ ارے بابا ۔ یہ شاعر کبت بناتا ہے۔ کبت اور گاؤں گاؤں سنا کر اپنا پیٹ پالتا ہے۔

اندھا بھکاری ۔ آں ، ہاں ، تو بھاٹ کہو نا ، کہو کہ میں بھاٹ ہوں، شاعر!! عجیب نام ڈھونڈا ہے اس نے بھی۔

جانی لنگڑا ۔ یہ راستے میں مجھے مل گیا تھا۔ میں نے کہا سفر میں دو ہوں تو راستہ آسانی سے کٹ جاتا ہے۔ اسی لئے اسے ساتھ لیتا آیا بابا تم تو یہاں بڑے مزے میں ہو۔ یہ بڑھیا کون ہے ؟

اندھا بھکاری ۔ یہ میری بیوی ہے ۔

(قدموں کی آواز)

اور یہ میری منی آرہی ہے۔ میری۔ لڑکی۔ منی۔ یہ جانی لنگڑا ہے یہ شاعر ہے گیت بناتا ہے، بی بی نے کھڑکی کھولی؟ ہاں۔ تو جلدی سے کھانا دے مجھے۔

منی۔ لیکن بی بی کہتی ہے۔ کہ ابھی کھانا کچھ دیر بعد ملے گا۔ آج سرائے میں مسافروں کی بہت بھیڑ ہے۔

اندھا بھکاری۔ تو کچھ تھوڑا سا ہی اُس نے دیدیا ہوتا۔ میں تو بھوک سے مرا جارہا ہوں۔

شاعر۔ یہ ایک کی کا بھٹہ ہے۔ بھائی اسے بھون کر کھالو۔

اندھا بھیکاری۔ کدھر ہے۔ کدھر ہے۔ کہاں ہے؟ منی۔ بٹیا ذرا اسے آگ پر بھون ڈال۔ اُف کتنی سردی ہورہی ہے آج۔ اِس گرم گدڑی میں بھی جان نکلی جارہی ہے ——— کون ہے۔ کسی امیر کی گاڑی آکر رکی ہے۔ منی جاؤ۔ ذرا بھاگ کر۔

جانی لنگڑا۔ میں بھی چلتا ہوں۔ تمہارے ساتھ۔ شاید ایک دو چھدام مجھے بھی مل جائیں۔ منی ذرا مجھے سہارا دینا۔ آہ۔

(سرائے کے دروازے پہ ایک گھوڑا گاڑی آکر رکتی ہے)

پہلا شکاری۔ اُف آج تو یار تھک کر چور ہو گئے۔

پہلے شکاری کی بیوی - یہ تو کوئی بڑی ذلیل سی سرائے معلوم ہوتی ہے ذرا مجھے سہارا دینا THANK YOU

دوسرے شکاری کی بیوی - اور بھئی ہمیں تو بہت بھوک لگی ہے جان نکلی جا رہی ہے - اور پھر یہ بلا کی سردی شکر کریں گے جب گھر پہنچیں گے -

دوسرا شکاری - شکار پر مردوں کے ساتھ آنا بھی تو کوئی ہنسی کھیل نہیں دیکھ لی آج ہم نے بھی تمہاری دلیری -

OH HOW BRAVE YOU ARE

MY COURAGEOUS KNIGHT

منی - صاحب ایک پیسہ، میم صاحب کی جوڑی بنی رہے ایک پیسہ مل جائے -

جانی لنگڑا - غریب محتاج لنگڑے پر ترس کر جاؤ رے بابا -

تیسرا شکاری - اوڈیم - یہ کم بخت ہر جگہ موجود ہیں اب کسے خیال تھا کہ OUT OFF THE WAY سرائے میں بھی یہ مخلوق مغز چاٹنے کے لئے موجود ہوگی -

منی - میم صاحبوں کی جوڑی سلامت، صاحب کا اقبال بلند ہو - میم صاحب جی آپ کے گھر ایک خوبصورت بچہ ——

پہلے اور دوسرے شکاری کی بیویاں - NOW INDECENT HUSH

HUSH - چلو جلدی اندر چلیں ورنہ یہ بھک منگے تو ہماری جان کھا جائیں گے۔

(سرائے کے اندر داخل ہوتی ہے)

پہلا شکاری۔ ہاں آپ چلیئے۔ ہم ذرا سامان اتار لیں۔ ممٹی وہ بکی کدھر ہے

تیسرا شکاری۔ RRIER میں فکر نہ کرو۔ اسے میں کیسے بھول سکتا سکتا ہوں۔

منی۔ کچھ مل جائے حضور۔

دوسرا شکاری۔ بیرہ انہیں کچھ دینا۔

(بیرہ منی کو ایک دوّنی دیتا ہے)

سرائے کا مالک۔ آیئے آیئے حضور۔ اندر تشریف لے آیئے۔

پہلا شکاری۔ اوہ تم اس سرائے کا مالک ہے۔

جانی لنگڑا۔ حضور کا اقبال بلند ہو۔ اس غریب محتاج لنگڑے کو بھی کچھ مل جائے۔

پہلا شکاری۔ اوہ۔ بیرہ۔ جلدی سے اس بلڈی BEGGER کو کچھ دے کر ٹالو۔ اور تم اس سرائے کا مالک ہے اور دروازے پر بھک منگوں کو بٹھلائے رکھتا ہے۔

دوسرا شکاری۔ مسافروں کو دونوں طرح سے لوٹتا ہے۔ اندر بھی اور

باہر بھی۔

سرائے کا مالک۔ حضور اندر تشریف لایئے۔ سرائے کی باہر کی زمین کا میں
مالک نہیں ہوں، اندر تشریف لایئے حضور۔

منّی۔ صاحب جی آپ بھی۔

تیسرا شکاری۔ (ASIDE) یہ بھکارن لڑکی تو مجھے خاصی اچھی
معلوم ہوتی ہے۔ بھئی تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں — ؟

دوسرا شکاری۔ ہش بڑے بیہودہ ہو تم۔ بیرا سب سامان ٹھیک ہے۔

بیرا۔ جی حضور۔

پہلا شکاری۔ چلو بھئی اندر چلیں۔ یہاں کھڑے کھڑے تو لہو بھی جم جائے گا۔

سرائے کا مالک۔ اندر تشریف لے چلئے حضور۔

منّی۔ صاحب جی آپ بھی ایک دوّنی۔

(صاحب لوگ سرائے کے دروازے کے اندر چلے جاتے ہیں)
بھاگو بھاگو یہاں سے، کس وقت سے کھڑی چلا رہی ہے مسٹنڈی کہیں
کی۔

(FADE OUT)

اندھا بھکاری۔ کچھ ملا۔

جانی لنگڑا۔ ایک اکنّی۔

منّی۔ اور ایک دوّنی مجھے بھی۔

جانی لنگڑا۔ جوان عورتوں کو لوگ یوں بھی زیادہ خیرات دے دیتے ہیں اور تمہاری لڑکی تو ــــ

اندھا بھکاری۔ ہاں بنیا اِس کے پانچ سو دیتا تھا لیکن منی کی ماں نے ــــ

جانی لنگڑا۔ منّی کی ماں نے عقلمندی سے کام لیا اگر تم بھی عقلمندی سے کام لو تو یہ لڑکی تمہاری ساری عمر کے لئے روٹیاں مہیا کر سکتی ہے کیوں شاعر میاں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔؟

(وقفہ)

جانی لنگڑا۔ شاعر بھائی۔

شاعر۔ ایں کیا کہا۔ معاف کرنا۔ میں نے سُنا نہیں۔

جانی لنگڑا۔ ہی ہی ہی۔ اچھا ہوا تم نہیں سُنا۔ اب یہ بتاؤ کیا تم کوئی گیت تیار ہے تمھے؟

شاعر۔ ہاں ایک نیا گیت ہی تھا۔

جانی لنگڑا۔ ذرا سناؤ اور اس سارنگی کو کاندھے پر سے اُتار دو۔

گانا

میں ہوں اِک بھکاری میرا جیون ہے کشکول

پھیلی پھیلی دھرتی پر میں پھرتا ہوں آوارہ

نہ میں کسی کا پریمی ہوں نہ کوئی میرا پیارا
دیکھتا ہوں جب زخمی آہیں یا نینوں کی دھارا
سونے گانے گاتا ہے من ہو کر ڈانواں ڈول
میں ہوں اک بھکاری میرا جیون ہے کشکول

میری طرح یہ گیت ہیں میرے ننگے بھوک کے مارے
میری طرح یہ گیت ہیں میرے آوارہ بیچارے
دل کو بھرتے ہیں یہ در در رات کو گنتے تارے
دُنیا والے اِن کی خاطر پیٹ کا مندر کھول
میں ہوں اِک بھکاری میرا جیون ہے کشکول

(وشوامتر عادل)

شاعر۔ تم کیوں رو رہے ہو بابا۔

اندھا بھکاری۔ مجھے اپنے سکھ کے دن یاد آ گئے۔ وُہ دھان کے پیارے پیارے کھیت۔ وُہ بہتی ندی کا نرمل شفاف پانی۔ وُہ دکھو جہاں میں اپنی ریوڑ رکھا کرتا تھا۔ میری ماں مجھے لوریاں دیا کرتی تھی۔ میرا باپ جو مجھے کاندھے پر بٹھا کر قصبے کے بازار میں سیر کرانے کے لئے لیا کرتا تھا۔

بھکارن۔ جھوٹ ہے، یہ بالکل جھوٹ ہے، میں نے اسی قصبے

کے بازار میں اسے بھیک مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔ کسان کا بیٹا وہ رہنا
سرائے کے باہر اور خواب دیکھتے محلوں کے۔

شاعر۔ ہاں، ہاں، تم سچ کہتی ہو۔ ہم سرائے کے باہر رہنے والی مخلوق ہیں۔ کتے اور بھکاری جو مسافروں کا بچا کھچا کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں اور اکثر اوقات تو پیٹ بھی نہیں بھر سکتے۔ ہمیں ایسے سنہرے خواب نہیں دیکھنے چاہئیں۔

جانے لنگڑا ــــ میاں ان باتوں سے سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔ اپنے نے تو بس یہ سیکھ رکھا ہے۔ کہ بھیو بھکاری اور مرد بھکاری ایمان کی بات ہے کہ یہ پیسہ کوئی اتنا برا نہیں۔ بیٹھے بٹھائے روٹی مل جاتی ہے۔ لوگ دو چار گالیاں بھی دے دیتے ہیں، لیکن سچ پوچھو تو گالیاں کس پیشے میں نہیں۔
ہم نے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا ہے۔ کہ گالیاں کھاتے ہیں اور چپوں تک نہیں کرتے۔ یار اپنے نے تو بس یہی پیشہ پسند کیا ہے۔

(وقفہ)

منی۔ شاعر؟ کیا تمہارے سبھی گیت ایسے ہوتے ہیں؟

شاعر۔ کیا مطلب ہے تمہارا منی؟

منی۔ تمہارا گیت بڑا برا تھا۔ اس نے بابا کو رلا دیا اور مجھے بھی۔

شاعر۔ تم بھی۔

منی۔ ہاں میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

شاعر۔ میرے پاس آنسوؤں کا ایک خزانہ ہے۔ اُسے میں نے دھرتی کے مختلف کونوں سے چن چن کر اکٹھا کیا ہے۔ ان آنسوؤں میں انسان کی کہانی ہے۔ کیا تم نے کبھی ان گول گول مدور آنسوؤں کے اندر جھانک کر دیکھا ہے، ان میں میلوں تک سُرخ سُرخ انگاروں کے میدان ہیں اور لاکھوں شعلے اپنی خوفناک زبانیں پھیلائے ہوئے آسمان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان میں زخمیوں کی چیخ و پکار ہے اور کمسن بچوں اور بیوہ عورتوں کے شیون۔ آنسوؤں کے اُفق پر ہمیشہ کالی گھٹا چھائی رہتی ہے جس میں کبھی کبھی ایک ایسی خوفناک بجلی کا کوندا لہراتا ہے کہ بڑے بڑے جیالوں کے دل دہل جاتے ہیں۔

منی۔ ہائے تم نے مجھے ڈرا دیا ہے۔

شاعر۔ لیکن ان آنسوؤں کے پیچھے، کبھی کبھی سات رنگوں والی دھنک کا نرم و نازک جھولا نظر آجایا کرتا ہے۔ بس ایک ہی لمحہ کے لئے پھر وہ اسی کالی گھٹا میں غائب ہو جاتا ہے۔ اور لاکھوں شعلوں کی سُرخ پتلی زبانیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں۔

منی۔ میں آج تک کسی جھولے پر نہیں بیٹھی۔ شاعر! کیا میں اس سات رنگوں والی دھنک پر بیٹھ سکتی ہوں۔

تم بڑی بھولی ہو۔ منی۔ ابھی تک کسی انسان نے اس دھنک کو

نہیں چھوا، چھونا تو کیا۔ بہت ساروں نے تو اُسے دیکھا بھی نہیں ہے،
میں نے بھی تو کبھی کبھی اُسے دیکھا ہے۔ یہ دھنک ہر ایک آدمی کے
آنسوؤں میں نہیں جھلملاتی۔ ہاں جب میں گیت گاتا ہوں۔ اور جب
میرے گیت کو سن کر کسی معصوم بچے کی آنکھوں میں آنسو مچلنے لگتے ہیں
اُس وقت میں اِس دھنک کو دیکھ لیتا ہوں۔ اگر وہ دھنک ہر ایک
کے آنسوؤں میں دکھائی دے تو یہ آگ کے جہنمی شعلے ہمیشہ کے لئے بجھ
جائیں۔

مُنّی ۔ تو پھر کیا ہو شاعر۔ تم بڑے ہی عجیب آدمی ہو۔

شاعر۔ پھر کیا ہو گا منّی ۔ پھر وہ ہو گا۔ جو تمہاری آنکھوں نے کبھی نہیں
دیکھا جس کھڑکی کے کھلنے کی تمنّا تم۔ ہر دم کرتی رہتی ہو۔ وہ ہمیشہ کے لئے
کھل جائے گی۔

مُنّی ۔ تو کیا تم اُسی واسطے دھرتی کے مختلف کونوں سے آنسو جمع کرتے
رہتے ہو۔

شاعر۔ ہاں۔

مُنّی ۔ ابا ابا یہ مسافر کہتا ہے کہ میں دھرتی کے مختلف حصّوں سے
آنسو جمع کرتا رہتا ہوں۔ تاکہ یہ ہماری سرائے والی کھڑکی ہمیشہ کھلی رہے
(لنگڑا جانی۔ مُنّی کی اماں۔ ابا اور مُنّی خوب ہنستے ہیں)

جانی لنگڑا۔ یہ کبت بنانے والے سبھی پاگل ہوتے ہیں۔

(ہوا کا تیز جھونکا دور جنگل میں گیدڑوں کے بولنے کی آواز)

اُف یہ ہوا کتنی سرد اور برفیلی ہے بیچارے انسانوں پر تو آنند ہے ہی جنگل میں گیدڑ تک سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے چلّا رہے ہیں۔

کیا تم نے وہ کہانی نہیں سُنی؟ ایک مہاراجہ اُس نے جب سردی کے دنوں میں گیدڑوں کو یوں چلّاتے ہوئے سُنا تو اپنے وزیر سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے۔ وزیر نے بتایا۔ کہ مہاراج۔ ان گیدڑوں کو سردی لگتی ہے مہاراج نے حکم دیا۔ کہ اِسی وقت اِن گیدڑوں میں کمبل اور لحاف مفت تقسیم کئے جائیں۔ (شاعر ہنستا ہے۔)

اندھا۔ (خفا ہو کر) کیوں ہنستے ہو؟

شاعر۔ میں پوچھتا ہوں۔ کہ اِس راجہ کے شہر میں کوئی بھکاری نہ تھا

(ہنستا ہے)

اندھا۔ بھکاری کیوں نہ ہوں گے؟ یہ شاعر کیسی باتیں کرتا ہے مہاراجہ راجہ ہوگا وہاں بھکاری بھی ہوں گے۔ لیکن اِس بات کا میری کہانی سے کیا تعلق؟ میں کہانی سنا رہا ہوں اور یہ بیچ میں ٹوک دیتا ہے خوامخواہ یہ کیسا آدمی ہے؟ تمہارا دوست جانی۔

جانی۔ معاف کرو اسے بھئی۔ تم جانتے ہی ہو۔ یہ کبت بنانے

والے اسی طرح بے سروپا باتیں کیا کرتے ہیں

گیدڑوں والی کہانی سے مجھے بھی ایک بات یاد آگئی ایک دفعہ میں سڑک پر بیٹھی بھیک مانگ رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ کوئی روٹی کوئی پیسہ بھوکی ہے بھکارن بھوکی ہے۔ اتنے میں میرے قریب سے ایک خوبصورت عورت گذری۔ اُس کا لباس ریشم کا تھا اور سر سے پاؤں تک زیور میں لدی پھندی تھی۔ اُس کے ساتھ ایک نہایت پیاری ننھی لڑکی تھی۔ میں نے اُنہیں دیکھ کر اور بھی مسکین آواز میں کہا۔ کوئی روٹی کوئی پیسہ۔ بھکارن بھوکی ہے اس پر وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی اور اُس نے اپنے بٹوے سے ایک پیسہ میری ہتھیلی پر رکھا۔ ننھی لڑکی بول اٹھی۔ ماں یہ بھوکی ہے۔ ماں نے کہا۔ ہاں بٹیا یہ بھکارن ہے۔ غریب ہے۔ بھوکی ہے۔ ننھی لڑکی بولی ماں یہ بھوکی ہے تو بسکٹ کیوں نہیں کھاتی۔ بسکٹ۔ سُنا تم نے مُنی کے ابّا۔ بسکٹ (کھوکھلے انداز میں ہنستی ہے) اس کی ماں نے اُسے ایک زور کا طمانچہ مارا۔ اور پھر اپنی روتی ہوئی لڑکی کو لے کر آگے نکل گئی۔

(کھوکھلے انداز میں ہنستی ہے)

اندھا۔ بھئی میری کہانی تو پوری ہوئی نہیں۔ کہ تم لوگوں نے بیچ میں سے۔

بی بی۔ (دُور سے آواز دیتی ہے) منی منی منی بٹیا۔

اندھا۔ کھڑکی کھل گئی ہے۔ منی کھڑکی کھل گئی ہے۔ بی بی تجھے بلا رہی ہے۔

بھاگ کر جا۔

بی بی ۔ منی منی ۔

جانی لنگڑا ۔ بی بی کھڑکی پر نہیں ہے ۔ وہ تو سرائے کے دروازے پر کھڑی آوازیں لگا رہی ہے ۔

بھکارن ۔ منی بھاگ کر جا ۔

منی ۔ آئی بی بی جی ۔

(دوڑتی ہوئی جاتی ہے)

منی ۔ بی بی جی اب کھانا دو گی ؟

بی بی ۔ ہاں ہاں ، چڑیل ۔ تجھے کھانا بھی دوں گی اور بہت سی اچھی اچھی چیزیں بھی دوں گی ۔ چل سرائے کے اندر چل ۔ سرائے کے مالک تجھے بلا رہے ہیں ۔

منی ۔ آہا آہا (تالی بجا کر) کہاں ہیں سرائے کے مالک ؟

(سرائے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)

بھکارن ۔ منی سرائے کے اندر چلی گئی ؟

جانی لنگڑا ۔ بی بی منی کو لے کر سرائے کے اندر چلی گئی ۔ سرائے کا دروازہ بند ہو گیا ہے ۔

اندھا بھکاری ۔ سرائے کے اندر چلی گئی ! کیا کہہ رہے ہو جانی ۔ میری

مُنی تو آج تک کبھی سرائے کے اندر نہ گئی تھی ـــ وُہ کیسے سرائے کے اندر چلی گئی۔ سرائے کے اندر ـــ مُنی ۔ مُنی ۔ منیّ ۔

شاعر ۔ آخر ایک نہ ایک دن اُسے سرائے کے اندر جانا ہی تھا۔

اندھا بھکاری ۔ نہیں میری بیٹی ۔

شاعر ۔ اور آج سرائے کی دہلیز نے اُس کی زندگی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ سرائے کے اندر اور سرائے کے باہر اور اب مُنی کی لاج اُس سرائے کی دہلیز کے محوّر پر آوارہ ہو کر بھٹکا کرے گی۔ ذرا آگ تیز کر دو جانی ۔ میرے گیت اِس برفیلی رات میں سردی سے ٹھٹھر سے جا رہے ہیں۔ وُہ ان آوارہ گیدڑوں کی طرح ہیں۔ جنہیں سردیوں میں کوئی کمبل نہیں دیتا ۔ وُہ اِن اندھے بھکاریوں کی طرح ہیں ۔ جن کی بوسیدہ اور پرانی گدڑی میں ہوا برف کے کانٹے بن کر چبھتی ہے ۔ میرے گیت بھوکے ۔ ننگے اور پیاسے ہیں انہیں کوئی بسکٹ نہیں دیتا ۔ میرے گیت کائنات کے گلے سڑے ناسور ہیں ۔ اِن رِستے زخموں پر آج تک کسی نے پھاہا نہیں رکھا

(سارنگی بجانے لگتا ہے)

جانی لنگڑا ـــ ہی ہی ہی ۔ دماغ چل گیا ہے ۔ سردی سے بچا ہے گا۔

گیت

میری طرح یہ گیت ہیں میرے ننگے بھوک کے مارے
میری طرح یہ گیت ہیں میرے آوارہ بے چارہ
دن کو پھرتے ہیں یہ در در رات کو گنتے تارے
دنیا والے اِن کی خاطر پیٹ کا مندر کھول
میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول
اِن کی خاطر پیٹ کا مندر کھول او دنیا والے
اس میں پھر اِک سندر سی آشا کی جوت جگا لے
تن کی دولت کو ٹھکرا دے من کی دولت پا لے
من کی دولت ڈھونڈنے والے سُن لے میرے بول
میں ہوں ایک بھکاری میرا جیون ہے کشکول

× × × × × ×

(اندھا بھکاری اپنی گدڑی کو سمیٹنے لگتا ہے)

بھکارن ۔ کہاں جا رہے ہو مُنی کے ابّا؟

اندھا ۔ میں اپنی مُنی کو واپس بُلانے جا رہا ہوں ۔ میں سرائے کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا ۔ شور و غل مچاؤں گا ۔ چیخوں گا ۔ چلاؤں گا ۔ گالیاں دوں گا ۔ سمجھا کیا ہے اُنہوں نے ۔ میں بھی کسان تھا ۔ میرا بھی گھر تھا ۔ بیلوں کی جوڑی تھی ۔ خوبصورت کھیت تھے ۔

— میری منی۔

جانی لنگڑا — چلو، چلو، میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ آؤ شاعر
میاں۔

(آہستہ آہستہ جاتے ہیں)

جانی لنگڑا۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ۔

(کھٹ کھٹ)

جانی لنگڑا۔ کوئی نہیں بولتا۔

(کھٹ کھٹ)

جانی لنگڑا۔ سرائے میں خاموشی ہے

(کھٹ کھٹ)

جانی لنگڑا۔ سب سو رہے ہیں۔

(کھٹ کھٹ)

شاعر۔ (طنز سے) منی بھی سو رہی ہو گی۔

اندھا۔ (چیخ کر) دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دو۔ سرائے کے بدمعاش کتو۔ دروازہ کھول دو۔ میری منی کو میرے حوالے کر دو میری بیٹی کو میرے حوالے کر دو۔ میں منی کا باپ ہوں۔ دروازہ کھول دو۔ دروازہ کھول دو۔ (کھٹ کھٹ کھٹ) آہ ظالم شیطان کے جہنمی بیٹو

میری معصوم منی کو مجھے واپس دے دو۔ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے
میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے تم نے مجھ سے میرا گھر چھینا۔ میرے سنہرے
کھیت چھینے۔ میرے خوبصورت بیلوں کی جوڑی، میری آنکھیں بھی تم نے
مجھ سے چھین لیں۔ اب میں اندھا ہوں۔ تمہارے دروازے کا بھکاری۔ آہ!
یہ دروازہ کھول دو (کھٹ کھٹ) کھول دو۔ ظالمو! ایک اندھے بھکاری پر
رحم کرو۔ اس کے بڑھاپے کا سہارا، اس کی اندھی زندگی کی جوت اسے
واپس دے دو۔ ہاں میری منی مجھے واپس دے دو۔ اب میں تم سے
کچھ نہیں مانگوں گا چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں گا چپ چاپ۔

(کھٹ کھٹ ہلکے ہلکے)

(سسکیاں لیتا ہے)

شاعر۔ (دکھ بھرے لہجے میں) میں جانتا ہوں۔ یہ سرائے کبھی نہ
کھلے گی سرائے کا ہر سانس جامد ہوتا ہے۔ اس کا سینہ پتھر کا ہوتا ہے
یہ پتھر جو ہر روز تمہارے ننگے پاؤں سے ٹکراتے ہیں۔ اور ان میں زخم
پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ پتھر جن سے سرائے کی دیواریں بنی ہیں۔ صرف دیواریں
ہی نہیں۔ ان کا سینہ بھی پتھر کا ہوتا ہے۔ اس سینے میں دھڑکن پیدا نہیں
ہوتی اور جہاں دھڑکن پیدا نہ ہو وہاں آواز بھی پیدا نہیں ہوتی اس
لئے تو سرائے خاموش ہے۔ لیکن گھبراؤ نہیں اس بے آواز سرائے

میں جس طاقت نے منّی کو نگل لیا ہے وہ وقت آنے پر خود بخود اُسے اُگل کر باہر پھینک دے گی آؤ اپنے الاؤ پر چلیں ۔

جانے لنگڑا۔ ہاں ہاں، الاؤ کی طرف چلیں۔ بڑھیا بے چاری اکیلی رو رہی ہو گی (آہستہ آہستہ) الاؤ کی طرف مڑ جاتے ہیں)

-FEADE OUT

(قصبے کا کلاک ایک بجاتا ہے ۔ اندھیرا چاروں طرف گہرا ہے

شاعر- ایک . . (وقفہ)

(قصبے کا کلاک دو بجاتا ہے)

شاعر۔ دو (وقفہ)

(کلاک تین بجاتا ہے)

شاعر۔ تین۔ (خراٹوں کی مدھم آوازیں)

شاعر۔ سو گئے۔ سب سو گئے۔ اندھا۔ لنگڑا۔ بھکاری۔ سب سو گئے۔

الاؤ کے تپتے ہوئے سرخ شعلے بھی جاگ کر سو گئے ۔

اب کالی برفیلی رات ہے - اور ہواؤں کے تیز فراٹے۔ لیکن یہ بھی فراٹے سرائے کے منجمد سینے کو چیر نہیں سکتے۔ جس طوفان کا تو منتظر ہے۔ وہ یہاں کبھی نہیں آئے گا۔ اس لنگڑے کو اپنے ناسوروں سے محبت ہے۔ اس بھکاری کو اپنی بھوک سے اور تو۔ تو اپنی اس بے مصرف

سارنگی کا بوجھ کاندھے پر اُٹھائے اُس یُجھتے ہوئے الاؤ کے کنارے
کیوں بیٹھا ہے۔ اُٹھ چل، پگڈنڈی کی پرانی راہ تجھے بلا رہی ہے۔ تو راہی
ہے عاشق نہیں۔ تو مسافر ہے۔ محبت کرنے والا نہیں۔

(قدموں کی آہٹ)

منّی۔ میں ہوں مُنّی ..... من — نی نے من نی سرائے کی ملکہ ہے۔
اُس نے کہا تھا۔

کس نے کہا تھا؟ یہ تیرے قدم کیوں لڑکھڑا رہے ہیں؟ یہ
تیرے — مُنہ سے کیسی بُو آرہی ہے؟

بُو آرہی ہے — ہی ہی ہی ہی بُو کر خوشبو۔ تم شاعر ہو کر بُو
اور خوشبو میں تمیز نہیں کر سکتے۔ ہا ہا ہا ہا۔

جانی سے لنگڑا۔ (جاگ کر) کون۔

اندھا۔ یہ مُنّی کی آواز تھی۔

بھکارن۔ مُنّی۔ میری بیٹی۔ تو اتنا عرصہ کہاں رہی؟

مُنّی سے۔ س۔ س۔ سرائے کے کے اندر اور اب سرائے کے باہر ہوں۔
میں بہت خوش ہوں۔ آج میں نے انگوروں کا رس پیا ہے۔ ریشم
کے کپڑے پہنے ہیں۔ لذیذ اور میٹھے کھانے کھائے ہیں تمہارے لئے بھی لائی
ہوں۔ لو — لو — اس رومال میں کچھ بندھا ہے اور یہ — یہ بھی لو۔

بھکارن ۔ یہ کیا؟

جانی ۔ نوٹ ؟ دس ۔ بیس ۔ تیس ۔ چالیس، واہ میرے یار یہ لونڈیا تو بڑی ہوشیار ہے ۔

بھکارن ۔ چالیس ؟ وُہ بنیا تو پانچ سو دیتا تھا ۔

اندھا ۔ (چِلّا کر) مُنّی ۔ مُنّی ۔ ذرا میرے قریب آ میری بیٹی ۔

مُنّی ۔ کیا بات ہے ابّا ؟

اندھا ۔ اور قریب (میرے قریب آ جا میری بیٹی) ۔

(اندھا مُنّی کا گلا دبانے کی کوشش کرتا ہے ۔ مُنّی چیختی ہے ۔ شاعر اور جانی اِن دونوں کو الگ الگ کر دیتے ہیں)

مُنّی ۔ کیا بات ہے ابّا ۔ کیا بات ہے ؟ ۔ تم تو مجھے (لمبی لمبی سانسیں لے کر) جان ہی سے مار ڈالنے لگے ۔ میں نے کیا کوئی بُری بات کی ہے ۔ میں تمہارے لئے کھانا لائی ہوں ۔ اپنے لئے یہ خوبصورت کپڑے دیکھو شاعر یہ میرے بدن پر کیسے سجتے ہیں ۔ اچھے لگتے ہیں نا وُہ بہت ہی اچھا آدمی ہے وُہ مجھ سے بہت بہت محبت کرتا ہے کہتا تھا جب میں نے تمہیں سرائے کے باہر دوّنی دی تھی اُسی لمحے سے میں تمہیں محبت کرنے لگا تھا ۔ اُس کی باتیں بہت رسیلی تھیں ۔ اُس نے مجھے بہت بہت پیار کیا تھا ۔ شاعر وُہ کہتا ہے میں تم سے شادی کر لونگا ۔ وُہ کل اپنے

گھر جائے گا۔ پھر وہاں سے وہ سرائے کے مالک کو خط لکھنے لگا۔ اور
پھر میرے لئے ایک خوبصورت چار گھوڑوں والی گاڑی آئے گی اور میں
اُس میں بیٹھ کر اپنے خاوند کے گھر جاؤں گی۔ اماں تمہیں یاد ہے۔ ایک
بار ایک بھکاری نے تم سے میرا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا۔ کہ یہ لڑکی بڑی
ہو کر شہزادی بنے گی۔ بھکارن سے شہزادی۔ اماں وہ بہت ہی امیر آدمی
ہے۔ میلوں تک اس کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کے پاس بیلوں کی ان
گنت جوڑیاں ہیں۔ اس کا گھر سُرخ اینٹوں کا بنا ہوا ہے اس کے چاروں طرف
ایک وسیع باغ ہے۔ ہاں بڑا ہی اچھا آدمی ہے میں نے اُس سے کہا کہ میں
اپنے ابا اور اماں کو بھی ساتھ لے چلوں گی۔ وہ کہنے لگا۔۔۔ یہ تو بہت
ہی اچھا ہے۔ میں ان دونوں کو ایک الگ مکان بنا دوں گا۔ اور تمہارے
ابا کے لئے کھیت اور بیلوں کی ایک جوڑی بھی خرید دوں گا۔ تم میرے ساتھ
چلو گے نہ ابا اماں تم بھی اب بھکاری نہ رہو گے۔ دربدر بھیک نہیں مانگیں
گے۔ بی بی کی گالیاں نہیں سُنیں گے۔ سرائے کے باہر سردی میں ٹھٹھرتے
ہوئے الاؤ کی مدھم آگ نہیں تاپیں گے۔ ہاں جانی کو بھی ساتھ لیتے چلیں
گے۔ میں اُس سے کہہ دوں گی۔ وہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ شاعر تم بھی ہمارے
ساتھ چلنا۔ تمہارے میٹھے گیت سُن کر اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جائیں
گے۔

کیوں ٹھیک ہے نا۔ ٹھیک ہے تا آبا۔ (وقفہ) اماں (وقفہ) جانی (وقفہ) تم سب چپ کیوں ہو۔ شاعر کیا بات ہے ؟ تم بھی نہیں بولتے ؟ تم بھی نہیں بولتے ——— (مدھم آواز میں سسکیاں لیتے ہوئے) تم بھی نہیں بولتے ———

(سسکیاں لیتی ہے)

شاعر ۔ رومت منی ۔ آج تم واقعی اِس کالی اندھیاری رات کی شہزادی ہو ۔ اس سرائے کی ملکہ ہو ۔ تمہارا لباس ریشم کا ہے ۔ تمہارے بالوں میں گلاب کے پھول ٹنگے ہوئے ہیں ۔ تمہارے لبوں پر تمہارے محبوب کے بوسے چمک رہے ہیں ۔ آج کی رات تم نے سات رنگوں والی قوس قزح دیکھی ہے ۔ آج کی رات وہ تمہارا خداوند ہے ۔ آج کی رات وہ، تمہیں اپنے چار گھوڑوں والی گاڑی میں بٹھا کر اپنی بیاہتا بنا کر اپنے گھر لے گیا ہے ۔ آج کی رات اُس نے تمہیں اپنے سونے کے اور جواہرات کے بنے ہوئے محل کی سیر کرائی ہے ۔ تمہاری کمر میں ہاتھ ڈالے اپنے وسیع باغات میں پھرایا ہے ۔ رومت منی اِن خوشی کے آنسوؤں کو سنبھال کر رکھ اِن آنسوؤں کو تو دوبارہ حاصل نہ کر سکے گی ۔ آج کی رات تو نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے ۔ یہ شاید تو اِس وقت نہیں جان سکتی ۔ کل صبح جب وہ مسافر اپنی چار گھوڑوں والی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے سونے کے محل میں

واپس چلا جائے گا۔ اس وقت تجھے معلوم ہو گا کہ تو اِس ظالم سڑنے کی پتھریلی دہلیز سے بیاہی گئی ہے۔ کہ جس کے آستانے کی جبّہ سائی کرتے کرتے تیرا باپ اندھا ہو چکا ہے۔ رومت۔ منّی۔ رُونے کے لئے ساری عمر پڑی ہے۔ کل تجھے معلوم ہو گا۔ کہ وہ قوس و قزح غائب ہو چکی ہے۔ وُہ سونے کا محل راکھ کا ڈھیر ہو گیا ہے۔ وہ وسیع باغات اور کھیت بنجر اور ویران ہو گئے ہیں۔ اِن میں تپتی ہوئی ریت کے بگولے اُڑتے ہیں۔ اور غول بیابانی چیخیں مارتے ہیں۔ اور تو اپنے چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی ہاتھ پھیلائے ہوئے بھیک مانگتی پھرتی ہے۔ کوئی روٹی۔ کوئی پیسہ۔ بھکارن ہوں۔

منّی۔ نہیں نہیں شاعر۔ یہ کیسے الفاظ ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔

شاعر۔ تیری بدنصیبی یہی ہے۔ کہ تو نے ابدی مسرت حسن کے چند لازول لمحے اپنی پاک و صاف رُوح کی پہنائیوں سے نکال کر ایک ایسے شخص کو بخش دیئے جو اِن کی قدر و قیمت کو نہیں جانتا۔ وُہ لمحات جن کا جواب چاند اور سورج کی دُنیا والوں کے پاس بھی نہیں۔ لیکن انسان ابھی انسان نہیں ہے ہر اُس چیز کو گزند پہنچاتا ہے جو خوبصورت ہے، مقدس ہے اور معصوم ہے اور ہر اُس چیز کا پجاری ہے جو اس پر ظلم کرتی ہے اس کی روح کچل کر اس کے نازک احساسات کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔

جانی لنگڑا۔ سچ سچ۔ بہک گیا ہے۔ بیچارہ دماغ چل نکلا ہے اس کا
چاند اور سورج۔ شعلے اور قوس و قزح۔ بھلا اِن باتوں کا چالیس روپوں
سے کیا تعلق ہے۔ جا بھائی جا۔ بہت مغز چاٹ لیا تو نے۔ اب اگر یوں
سیدھی طرح نہیں جائے گا تو جانی لنگڑا تجھے اپنی لنگڑی ٹانگ کے کرتب
دکھلائے گا۔ یہ میری لنگڑی ٹانگ ایسے موقعوں پر خوب چلتی ہے۔ بڑا
آیا ہے۔ مُنّی کو سمجھانے والا۔ چلا جا یہاں سے۔

(شاعر آہستہ آہستہ پگڈنڈی کی طرف قدم بڑھاتا ہے) (وقفہ)

مُنّی ۔ شاعر ٹھہرو۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔

شاعر۔ نہیں میں اب ٹھہر نہیں سکتا۔ میں تمہارے آنسو اپنے ساتھ
لئے جا رہا ہوں مُنّی۔ محبت کرنا یا زخمی زندگیوں پر پھاہا رکھنا میرا کام نہیں
میں تو صرف دھرتی کے آنسو جمع کرتا ہوں (چلا جاتا ہے)

خاموشی۔ پھر جنگل میں گیدڑوں کے بولنے کی آواز)